دستور المعلمین

حصّہ اوّل

اصول تربیّت

از

مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب

انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ شریف

سنہ ۱۹۰۳ء

منشی محمد بلال کرم بخش مالکان مطبع کے اہتمام سے

بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ (انبالہ) میں چھپی

باراول

تعداد جلد (۵۰۰)

قیمت ۸ /

معذرت

یہہ کتاب نہایت جلدی مین طبع ہوئی ہے اور مصنف کو نہ اسکی کاپی دیکھنے کا موقع ملا
دیکھنے کا اس لئے اس مین غلطیان رہ گئی ہین۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اس کتاب کو
پہلے اس کی غلطیان کو درست کرلین۔ ضروری غلطیون کی اصلاح ذیل مین درج کردی

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	آخر	۱۰۰	۱۱۰
۴	۱۷	ناواقفی	ناواقفیت
۱۲	۱۱	باالخصوص	بالخصوص
۱۳	۱۷	بےپروائی	بےپروا
۱۴	۱۹	کہ	(اس لفظ کو کاٹ دو)
۱۵	۹	تحریص	تحریض
۱۹	۱۰	کیس	گیس
۲۲	۲	برعکس	برعکس اسکے
۲۲	۱۸	نفس	تنفس
۲۴ ۲۶	۸ ۱۰	برابر ہین ڈیر	برابر [illegible] ڈیرہ تک
۲۸	۱۶و۱۷	صحت مین جسمانی	صحت جسمانی مین
۲۸	۲۰	معلم کو	معلم
۳۰	۱۱	تربیت	ترتیب
۳۰	۲۰	کیجاتی ہے	ہوجاتی ہے
۳۷	۲۱	کبھی کیسی	کبھی کبھی
۳۸	۲۱	داوان ڈول	ڈانوانڈ ول
۴۳	۵	ٹھوس	ٹھونس
۴۴	۲	بات کا	بات سے
۴۴	۱۹	خیات	خیالات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵	۱۳	سماجاتے	اسی ط[illegible]
۴۸	۱۱	تصوری	مع[illegible]
۵۴	۱۳	قوت کے	اس ق[illegible]
۵۹	۱۳	ضمیمہ	ذمیمہ
۶۱	۲	تشبیہ	[illegible]
۶۶	۶	کاشش نتیجہ	مشق[illegible]
۶۷	۱۱	ہم	[illegible]
۶۹	۱۴	کرنا	کر[illegible]
۸۵	۲۰	نہین	[illegible]
۸۵	۸	کہ جیسے	[illegible]
۹۰	۱۳	رکھنا	ذرکھ[illegible]
۹۱	۱۵	بھی	سمجھ[illegible]
۹۶	۱۹	اجازت دیجائے	عادت [illegible]
۹۸	۲۱	اطاعت تربیت	اطاعت [illegible]
		کا ابتدائی زینہ ہی	کا ابتدائی [illegible]
۱۰۱	۱۳	چاہئے	چاہتے
۱۰۷	۶و۵	پیش آئے	باز ہو آ[illegible]
۱۰۹	۷	استاد کو اس	استاد کو ا[illegible]

فہرست مضامین

دستور المعلمین حصہ اول

دیباچہ

دفعات		صفحات
۱ - ۱۶	مقدمہ - تربیت کے عام اصول	۱
۱۷ - ۲۸	باب اول - تربیت جسمانی	۱۷
۱۷ - ۱۹	فصل اول - جسمانی تربیت کے مقاصد	۱۷
۲۰ - ۲۲	فصل دوم - صحت کا قائم رکھنا	۱۹
۲۳ - ۲۸	فصل سوم - مختلف ہدایات - بابت صحت طلبہ	۲۴
۲۹ - ۵۵ ...	باب دوم - تربیت عقلی	۲۹
۲۹ - ۳۰	فصل اول - تربیت عقلی کے مقاصد	″
۳۱ - ۳۸	فصل دوم - قوت مدرکہ	۳۱
۳۹ - ۴۳	فصل سوم - قوتِ حافظہ	۴۱
۴۴ - ۴۶	فصل چہارم - قوتِ متخیلہ	۴۶
۴۷ - ۵۵	فصل پنجم - قوتِ عقل	۵۰
۵۶ - ۱۰۰	باب سوم - تربیت اخلاقی	۵۹
۵۶ - ۵۸	فصل اول تربیت اخلاقی کے مقاصد	″

دفعات		صفحات
۵۸-۶۱	فصل دوم - تاثّرات	۶۲
۶۱-۶۳	فصل سوم - عادات	۶۶
۶۴-۶۵	فصل چہارم - قوت ارادی	۷۰
۶۶-۶۷	فصل پنجم - عقل اخلاقی	۷۲
۶۸-۹۵	فصل ششم - فضائل اخلاق	۷۶
۶۹-۷۳	اول - راستی	۷۷
۷۵-۷۹	دوم - عدل	۸۴
۸۰-۸۱	سوم - مہربانی	۸۹
۸۳-۸۵	چہارم - حیا	۹۲
۸۶-۹۰	پنجم - محنت	۹۴
۹۱-۹۳	ششم - اطاعت و آزادی	۹۸
۹۴-۹۵	ہفتم - اعتدال	۱۰۱
۹۶-۱۰۰	فصل ہفتم - رذائل مزاج	۱۰۴
۹۷	(۱) ضد	۱۰۵
۹۸	(۲) شکایت	۱۰۷
۹۹	(۳) زود رنجی	۱۰۹
۱۰۰	(۴) غضب	۱۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دستور المعلمین کا تیسرا حصّہ فن تعلیم ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا تھا جو اب سب فروخت ہو چکا ہے۔ میں سرشتہ تعلیم اور پبلک کی اُسی قدردانی کی وجہ سے یہ پہلا حصّہ بھی جو فی نفسہ بہت ضروری ہے مکمل کر کے شائع کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ حصّہ معلمین کے واسطے ہے لیکن در حقیقت یہ ایک علمی اور فلسفی اور اخلاقی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اور اس لئے نہ صرف معلمین کے لئے بلکہ طلبا کے والدین اور جملہ شائقین علم کے لئے مفید ہو سکتا ہے +

اِس حصّے کا مقدمہ ۱۹۱۰ء میں رسالہ معارف میں چھپ چکا ہے اب ترمیم اور اضافہ کے ساتھ چھاپا جاتا ہے +

حصّہ سابق فن تعلیم کے متعلّق میرا فرض ہے کہ خاص کر جناب ڈائرکٹر سرشتہ تعلیم پٹیالے کا شکریہ ادا کروں کہ صاحب موصوف نے بلا تعارف یا سفارش کے محض قدردانی فن کے باعث فن تعلیم کی ایک ایک کاپی کا خریدنا جملہ مدرسین پر لازم قرار دیا۔ نیز آنریبل نواب عماد الملک بہادر ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ اور شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب فیلو الہ آباد یونیورسٹی کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہے کہ ہر دو فضلائے

ممدوح نے جن کا تجربہ تعلیمی نہایت وسیع ہے اُس حصے کی بابت بہت عمدہ رائے ظاہر کی +

اب اِس کتاب کا حصّہ دوم بابت نظم و نسق مدرسہ باقی ہے۔ اور نیز حصہ سوم **فن تعلیم** کا دوسرا جزو جس میں مختلف مضامین کی تعلیم کا طریقہ بیان ہوگا۔ اگر اس حصہ کو تعلیمی پبلک نے پسند کیا تو وہ بھی جلد شائع ہوں گے +

یکم مارچ ۱۹۰۳ء

غلام الحسنین
منصرم صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ

مقدّمہ

تربیت کے عام اُصول

۱۔ تعلیم و تربیت تعلیم اور تربیت کا مفہوم (جیسا کہ بعض اوقات غلطی سے سمجھا جاتا ہے) واحد نہیں ہے۔ تعلیم کے معنے ہیں علم کا سکھانا، معلومات یا واقفیت کا بڑھانا۔ اور تربیت کے معنی ہیں۔ پرورش کرنا اور ترقی دینا مگر اصطلاح میں +

(۱) تعلیم اُس کام کو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعے سے ہم کو کسی خاص علم و فن، یا کسی خاص پیشے میں واقفیت یا لیاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور (۲) تربیت وہ شے ہے جس سے مختلف قوائے انسانی نشو نما پاتے اور ترقی کرتے ہیں +

مثالیں (۱) اگر کوئی شخص ورزش کے قاعدے جانتا ہو، تو ہم کہیں گے کہ اُس نے ایک فن کی تعلیم پائی ہے۔ لیکن اگر باوجود اس واقفیت کے وہ ورزش بھی کرتا ہو تو اُس وقت ہم کہیں گے کہ اُس کو تربیت بھی ہوئی ہے +

(۲) اشیار کے سبقوں میں اگر اشیا کے خواص اور اُن کے فوائد سے طلباء واقفیت حاصل کریں تو ہم کہیں گے کہ اُن کو

تعلیم ہوئی اور چیزوں کے دیکھنے بھالنے میں جس وقت اُن کی قوت ادراک اور حواس خمسہ کو ترقی ہو تو ہم کہیں گے کہ اُن کو تربیت بھی ہوئی +

(۳) اگر بچوں کو سچ بولنے کے فائدے بتائے جائیں اور وہ اُن کو بخوبی سمجھ لیں تو اُس کو ہم تعلیم کہتے ہیں۔ لیکن جس وقت وہ سچ بولنا اختیار کریں اُس وقت ہم کہیں گے کہ اُنہوں نے تربیت بھی پائی ہے +

تعلیم سے ہماری معلومات بڑھتی ہے۔ اور تھوڑی بہت لیاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ تربیت سے اُن قوتوں کی ترقی ہوتی ہے۔ جن کے ذریعے سے معلومات بڑھتی ہے۔ تعلیم سے صرف واقفیت بڑھتی اور علم حاصل ہوتا ہے۔ تربیت سے اُس علم حاصل شدہ کو کام میں لانا اور اپنی لیاقت سے بے تکلف کام لینا آجاتا ہے۔ تعلیم سے کسی ہنر یا پیشہ میں دسترس حاصل ہوتی ہے۔ تربیت سے ہم کو وہ عام اُصول معلوم ہو جاتے ہیں۔ جو زندگی کی ہر حالت اور ہر پیشے میں کار آمد ہوتے ہیں +

تعلیم و تربیت اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاہم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر تعلیم نہ ہوئی یعنی ہماری معلومات اور واقفیت زیادہ نہوئی تو ہمارے قوائے عقلیہ کی مشق اور اُن کی ترقی یعنی تربیت کیونکر ہو گی؟ -

اور اگر تعلیم ہوئی اور ہم کو اپنے علم سے کام لینا نہ آیا یعنی تربیت نہوئی تو اُس علم سے کیا فائدہ؟ اِس بیان سے ظاہر ہے کہ تربیت متمم تعلیم ہے۔ یعنی کوئی تعلیم بغیر تربیت کے پوری نہیں ہو سکتی اور یہ کہ تربیت میں تعلیم داخل ہے +

۲- اسباب تربیت اِس سے ہماری مُراد وہ وسائل ہیں جن سے انسان کی تربیت ہوتی ہے۔ یہ اسباب دو قسم کے ہیں:- **اضطراری** (غیر ارادی) **اختیاری** (ارادی)

(الف) اضطراری اسباب۔ جن سے انسان کی تربیت خود بخود بلا ارادہ ہوتی رہتی ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں:-

قُدرت جو ابتدا ہی سے مختلف چیزیں دکھا کر ہماری تربیت شروع کر دیتی ہے۔ اور غور سے دیکھنے بھالنے کی عادت پیدا کرتی ہے۔

صُحبت یعنی لوگوں سے ملنا جُلنا اور اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا۔

کتابیں پڑھ کر یا دُنیا کے کار و بار میں پھنسکر تجربہ حاصل کرنا وغیرہ

(ب) اختیاری اسباب۔ جن سے بالارادہ کسی خاص طریق پر کاربند ہو کر تربیت کی جاتی ہے تربیت کے ارادی اسباب یا تو ہمارے والدین اور معلم استعمال کرتے ہیں یا ہم خود استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے تربیت کے متعلق والدین۔معلم اور متعلم کے فرایض سے واقف ہونا ضروری ہے

۳- فرایض والدین بچّے کی تربیت کے والدین اور معلم دونوں ذمہ دار ہیں۔ مگر والدین کی ذمہ داری معلم کی نسبت زیادہ ہے۔ اس ملک میں اکثر والدین تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنے فرائض سے بہت کم واقف ہیں۔ اولاد کی تربیت کے بارہ میں والدین کے فرائض حسب ذیل ہیں:-

(۱) بچّے کی قوت گویائی بڑھائیں اور جو چیزیں وہ اپنے اِرد گِرد دیکھتا ہے اُن کے نام بتائیں۔ اور اُن پر اُس کو اپنی عقل لڑانا سکھائیں اور اس طرح اُس کے سرمایۂ الفاظ اور معلومات کو ترقی دیں۔

(۲) اُس کے چال چلن کا پورا پورا خیال رکھیں۔ اُس کے دل میں عمدہ خیالات اَور نیک عادات کا بیج بوئیں اِس لیئے ضرور ہے کہ والدین اُس کو زبانی نصیحت و تلقین کریں۔ بُری حرکتوں سے روکتے رہیں۔ اگر بچپن ہی میں روک تھام نہوئی تو بُری عادتیں رفتہ رفتہ مستحکم ہو جائیں گی۔ اور بعد میں اُن کا چھڑانا سخت دُشوار ہو جائیگا اس کے علاوہ خود والدین کا نیک چلن ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ چال چلن زیادہ تر اپنے سے بڑوں کی تقلید کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو عادتیں والدین میں ہوں گی بچّہ بھی عموماً اُنہیں کو اختیار کرے گا۔

(۳) جب بچّہ مدرسہ میں داخل ہو جائے تو جو تربیت اُس نے وہاں حاصل کی ہے۔ اُس کو کامل اَور پُختہ بنانے کی کوشش کریں۔ ورنہ جیسا آج کل دیکھا جاتا ہے مدرسہ کی تربیت کا اثر بہُت کم باقی رہیگا والدین کا یہ خیال "جب بچّہ مدرسہ میں داخل ہوگیا تو ہم اپنے فرض تربیت سے سُبکدوش ہوگئے" محض غلط ہے۔

(۴) بچّے کی خوراک۔ لباس اور صحت کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ والدین اس فرض کے بجا لانے میں اپنی طبعی محبّت کی وجہ سے تا بمقدور کوئی کمی نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ بعض والدین صرف اسی بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ گو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے وُہ اِس کو بھی پُورا پُورا ادا نہ کر سکتے ہوں مگر اِس مطلب کے لیئے اُن کو اُصول صحت سے عام واقفیت حاصل کرنی چاہیئے۔

۴۔ فرائض مُعلّم و مُتعلّم

جو شخص دوسروں کو علم سکھائے۔ اُس کو مُعلّم یا اُستاد اور علم سیکھنے والے کو مُتعلّم یا شاگرد کہتے ہیں۔ والدین کے فرائض

بیان ہو چکے۔ اب ہم معلم اور متعلم کے فرائض جدا جدا بیان کرینگے +

فرائض معلم یہ ہیں :-

(۱) بچے نے جو تربیت گھر میں پائی ہے اُس کو پختہ اور مکمل بنائے اور ترقی دے اور طلباء کو باہمی تعلقات میں جن فضائل اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے اُن کی عادت ڈلوائیے بچے میں نیک عادتیں پیدا کرنے اور بد عادتوں کے چھڑانے کا اُستاد کو بہت زیادہ موقع ملتا ہے اور بچوں کے باہمی میل جول کی وجہ سے یہ مقصد بآسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) اگر بچے کو گھر میں کچھ تربیت نہیں ہوئی یا جیسی چاہیئے ویسی نہیں ہوئی تو اُستاد کا فرض ہے کہ حتی الامکان اس نقصان کا تدارک اور بچے کی اِصلاح کرے۔ اگرچہ کچھ شک نہیں کہ ایسی حالت میں اُستاد کو بہت زیادہ دقت اُٹھانی پڑے گی +

(۳) بچوں کو ابتدائی مضامین (حساب۔ لکھنا پڑھنا وغیرہ) کی تعلیم دے اور ساتھ ساتھ اُن کے قوائے عقلیہ کی بھی تربیت کرے مثلاً حساب کی تعلیم میں توجہ اور قوتِ استدلال کو ترقی دینا۔

(۴) سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ بچوں کے دلوں میں علم کا شوق پیدا کرے تاکہ وہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد بھی مختلف قسم کی کتابیں پڑھکر اپنی تربیت خود کرتے رہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ طالب علم اپنے زمانۂ طالب علمی میں تو کتاب کے کیڑے بنے رہتے ہیں۔ مگر کسی نوکری یا پیشے میں مصروف ہونے کے بعد کتابوں کو طاقِ نسیاں میں رکھ کر مطالعہ کو خیر باد کہکر سارا پڑھا لکھا بھلا دیتے ہیں۔ یعنی علم کو صرف تحصیل

معاش کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اُستاد کو اس بے بُنیاد خیال کی غلطی خوب طرح طلبا کے ذہن نشین کردینی چاہیئے +

فرائض متعلم یہ ہیں :-

(۱) اپنی تربیت آپ کرے - یعنی جو کچھ اُس نے سیکھا ہے اُس کو ترقی دے اور اپنے مبلغ استعداد تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

(۲) اپنے چال چلن کو کامل بنائے اور اپنے لیئے ایک دستور العمل قرار دے کر عمر بھر اس پر کاربند رہے تاکہ اُس کی زندگی لطف کے ساتھ بسر ہو، کیونکہ سچی خوشی نیک ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

(۳) ورزش وغیرہ کے ذریعے سے اپنی صحت جسمانی کا بھی لحاظ رکھے

۵- قوائے انسانی چونکہ ہم کو انسان کی تربیت کرنی مقصود ہے اس لیئے انسانی قوتوں سے واقف ہونا ضروری ہے، مگر اوّل یہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کسے کہتے ہیں۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) جسم (۲) روح یا نفس ناطقہ یعنی وہ شے جو اُس کے اندر بولتی ہے۔ اِس لئے انسان میں دو طرح کی قوتیں ہیں - جسمانی اور عقلی - قوائے جسمانی سے دِل دِماغ وغیرہ اعضائے بدنی کی قوتیں مُراد ہیں - جن کے باقاعدہ عمل سے صحت قائم رہتی ہے اُن کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں البتّہ قوائے عقلی کا بیان کرنا ضروری ہے +

۶- قوائے عقلی نفس کی قوتوں کا حال بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ نفس کیا چیز ہے ؟ +

ہر شخص کو اپنی ہستی کا یقین ہے اور وہ اپنے تئیں دوسری

چیزوں سے تمیز کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ "میں آتا ہوں"۔ "میں پڑھتا ہوں"۔ اس میں کا مصداق ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ "میرا ہاتھ"۔ "میرا پاؤں" وغیرہ پس ثابت ہوا کہ کوئی ایسی ہستی ہے جس سے تمام افعال انسانی سرزد ہوتے ہیں۔ اسی کو نفس انسانی یا نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ ہم نفس کے تمام افعال کو تین قسموں میں منقسم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان کو یا تو کسی چیز کا محض علم ہوتا ہے یا رنج و راحت وغیرہ کا احساس ہوتا ہے۔ یا وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پس نفس وہ جوہر یا قوت ہے جس کے ذریعے سے ہم معلوم کرتے ہیں محسوس کرتے ہیں یا خواہش و ارادہ[1] کرتے ہیں +

چونکہ افعال انسانی تین قسموں سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے نفس کی بھی تین بڑی قوتیں ہیں:- قوت تعلم۔ قوت تاثر۔ قوت ارادہ

(۱) قوت تعلم۔ اس قوت کے ذریعے سے نفس کو کسی چیز کا محض علم ہوتا ہے +

(۲) قوت تاثر۔ اس قوت سے نفس رنج و راحت و دیگر کیفیات کو محسوس کرتا ہے +

(۳) قوتِ ارادہ۔ اس قوت کی بدولت نفس سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ قوت ہمارے جسمانی اور نفسانی افعال

---

[1] قوت تمنا (خواہش) بھی قوت ارادہ کی ایک قسم ہے۔ تمنا میں یہ بات ہوتی ہے کہ نفس اپنی ذات کے اندر کوئی کمی محسوس کرتا ہے اور اس کو پورا کرنے کی رغبت یا میلان ظاہر کرتا ہے + مصنف۔

کی حاکم ہے۔ اب ہم ان قوتوں کو ایک مثال کے ذریعے سے سمجھاتے ہیں +

فرض کرو کہ ہم نے کسی باغ میں ایک خوبصورت پھول کھلا ہوا دیکھا۔ اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوئی اور ہم اُس کو توڑنے کے لئے چلے۔ اس مثال میں پھول کا علم، **قوت تعلم** کا فعل ہے۔ خوشی کا حاصل ہونا۔ **قوت تاثر** کا اثر ہے اور پھول کی طرف چلنا **قوت ارادہ** کا نتیجہ ہے۔ یاد رہے کہ قوت ارادہ کا فعل ہمیشہ کسی تاثر کی تحریک کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ ہر ارادہ کا فعل خواہ مخواہ ظاہر ہوا کرے ممکن ہے کہ ایک تاثر دوسرے تاثر کو زائل کردے۔ چنانچہ مثال مذکور میں جو خوشی ہم کو پھول کے دیکھنے سے حاصل ہوئی پھول کے توڑنے کی محرک ہوئی۔ اب فرض کرو کہ ہم پھول تک نہ پہنچے بلکہ رستے ہی سے لوٹ آئے اس کے یہی معنے ہیں کہ ایک تاثر نے دوسرے تاثر کو ہمارے دل سے محو کردیا ممکن ہے کہ ہمارے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا بُری بات ہے خداے حاضر و ناظر ہم کو دیکھتا ہے یا شاید یہ خیال دل میں پیدا ہوا ہو کہ کہیں باغ کا مالک آ جائے تو ہم کو ناحق شرمندگی ہوگی۔ اس دوسرے تاثر نے پہلے تاثر کو مغلوب کر لیا اسی طرح ہم اکثر ایک کام کا ارادہ کرتے ہیں پھر وہ ارادہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ ایک تاثر دوسرے تاثر پر غالب آ جاتا ہے +

۷۔ قوت تعلم کی قسمیں اس قوت میں چار قوتیں شامل ہیں +

(۱) قوت مُدرکہ اس قوت سے بذریعہ حواس کے اشیائے خارجیہ کا علم حاصل ہوتا ہے +

(۲) قوت حافظہ - یہ قوت نفس میں حاصل کردہ علم کو حفاظت کے ساتھ جمع رکھتی ہے اور ضرورت کے وقت اُس کو حاضر کر دیتی ہے +

(۳) قوت متخیلہ - یہ وہ قوت ہے جس سے نفس معلوماتِ حاصل کردہ کو نئی ترتیب دے کر اُسی قسم کی یا بالکل نئی صورتیں پیدا کر لیتا ہے +

(۴) قوت عقل - اِس قوت کے ذریعہ سے نفس معلومات پر احکام لگاتا اور نامعلوم نتائج نکالتا ہے +

اب ہم ان قوتوں کی ایک مثال دے کر ذہن نشین کرتے ہیں فرض کرو کہ ہم نے گلاب کا پھول دیکھا اور دیکھنے چھونے اور سونگھنے سے یہ معلوم کیا کہ وہ سرخ نرم اور خوشبو دار ہے یہ علم ہم کو قوتِ مُدرکہ کے ذریعے سے حاصل ہوا اب فرض کرو کہ گلاب کا پھول ہمارے سامنے موجود نہیں ہے مگر تاہم اس کے سُرخ - نرم اور خوشبو دار ہونے کا علم ہمارے ذہن میں محفوظ ہے - یہ کام قوت حافظہ کا ہے - ہم اکثر چیزوں کو جو ہم نے کبھی دیکھی ہیں اپنے حافظہ کے ذریعہ سے اپنے ذہن میں لاتے ہیں - اور اُن پر یہ بحیثیت مجموعی یا اُن کے اجزا پر اپنا تصور جماتے ہیں - بعض مصور ایسی چیزوں کی تصویریں کھینچتے ہیں - جن کا کہیں وجود نہیں ہوتا - مثلاً ایسے جاندار کی تصویر جس کا آدھا دھڑ انسان کا ہو اور آدھا حیوان کا - ایسی تصویروں کے اجزا اشیائے خارجیہ میں موجود ہوتے ہیں مگر مُصوّر

اُن کو اپنے خیال میں نئی ترتیب دے کر جدید مرکبات بنا لیتے ہیں
یہ سب قوت متخیلہ کا عمل ہے۔ اب فرض کرو کہ ہم نے ایک
کاغذ کے ٹکڑے کی نسبت کہا کہ "یہ کاغذ زرد ہے" اس صورت
میں ہم نے کاغذ کا مشاہدہ کیا اور پھر جو زرد چیزیں ہم پہلے دیکھ چکے
ہیں۔ اُن کے ساتھ اُس کا مقابلہ کر کے یہ حکم لگایا کہ یہ کاغذ زرد ہے
یا ہم کو مثلاً معلوم ہے کہ ا = ب کے اور ب = ج کے تو اِس سے
ہم یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ا = ج کے اِس قسم کے احکام لگانا اور
نتائج نکالنا قوت عقل کا کام ہے۔

۸۔ تربیت کی قسمیں جن قوائے عقلیہ (قوت تعلم۔ قوت تاثر۔
قوت ارادہ۔) کی تربیت کرنی ہے۔ اُن کا بیان ہم نے مجمل طور
پر کردیا چونکہ تربیت سے یہی غرض ہے کہ انسان درجۂ کمالِ انسانی
پر پہنچ جائے اِس لئے جملہ قوائے انسانی کی تربیت کرنی لازم ہے
اب جاننا چاہیے کہ قوائے جسمانی کے باقاعدہ ترقی دینے اور
سدھانے کو تربیت جسمانی اور قوت تعلّم (مُدرکہ۔ حافظہ۔ متخیلہ۔ اور
عقل) کے باقاعدہ سدھانے اور ترقی دینے کو تربیت عقلی کہتے ہیں
اسی طرح قوت تاثر اور قوت ارادہ کو درجۂ کمال پر پہنچانا تربیت اخلاقی
کہلاتا ہے۔ تربیت کی ان تینوں قسموں کا بیان اگلے تین بابوں میں
لکھا جائے گا اور ساتھ ہی مختلف قوائے انسانی کا مفصل بیان ہوگا

۹۔ قوانین تربیت تربیت کا بیان شروع کرنے سے پہلے مناسب
ہے کہ نفسِ انسانی کے چند قوانین کا مجملاً ذکر کیا جاوے، جن کے
موافق تربیت کرنے سے انسان کی جسمانی و روحانی قوتیں اپنے اپنے

درجۂ کمال تک پہنچ سکتی ہیں۔ یہ قوانین حسب ذیل ہیں:-

(۱) قانون استعداد قبولیت۔

(۲) قانون مشق۔

(۳) قانون عادت۔

(۴) قانون موازنہ۔

(۵) قانون تشخص۔

(۶) قانون محنت و نفس کشی۔

(۷) قانون اتفاق و اتحاد۔

۱۰۔ قانونِ استعداد قبولیت بچّے کی طبیعت میں ہر بات کے قبول کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔اِس لئے جس قسم کی تربیت کرنی منظور ہے۔ شروع ہی سے کرنی چاہئے۔ ابتدائی تربیت اوّل تو آسانی سے ہو سکتی ہے۔ دوسرے بہت زیادہ پُر زور ہوتی ہے۔اُس کا اثر طبیعت میں تمام عمر قایم رہتا ہے۔بچپن کی باتیں پتھر کی لکیر ہو جاتی ہیں۔ بڑے ہو کر طبیعت سخت ہو جاتی ہے۔دل میں طرح طرح کے شک پیدا ہو جاتے ہیں مشکلات کا مُقابلہ ناگوار اور قدیم عادتوں کا چھوڑنا دُشوار ہو جاتا ہے۔غرض ابتدا میں بچّے کی حالت گیلی لکڑی کی سی ہوتی ہے اُس کو جس طرف چاہیں موڑ سکتے ہیں بعد میں یہ قابلیت نہیں رہتی ہے۔

چوبِ تر را چُناں کہ خواہی پیچ
نہ شود خُشک جُز بہ آتش راست

۱۱۔ قانون مشق انسان کی تمام قوتیں خواہ جسمانی ہوں خواہ عقلی

مشق سے نشوونما پاتی ہیں۔ اِس لیئے ہر ایک قوت کی مشق بخوبی کرانی چاہیئے مگر ایک قوت کی مشق دوسری قوت کی ترقی کے لیئے کبھی کارآمد نہیں ہو سکتی۔ مثلاً جسمانی قوتیں صرف جسمانی ورزش کے ذریعے سے ترقی پاتی ہیں۔ قوتِ گویائی کی ترقی بولنے سے، قوت مشاہدہ کی ترقی بغور دیکھنے سے، قوت متخیلہ کی ترقی تصوّر کرنے سے! اسی طرح قوائے اخلاقی بھی خاص خاص قاعدوں پر عمل کرنے سے تربیت پاتے ہیں مگر مشق کی بھی ایک خاص حد مقرر کرنی چاہیئے اِس بات کی احتیاط قوائے جسمانی اور خاص کر قوائے عقلی کی مشق میں ضروری ہے۔ اگر اُن کی مشق ایک خاص حد سے بڑھ جائیگی تو سخت نقصان پہنچے گا۔ مثلاً جب قوائے عقلیہ کی مشق حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے، اُس وقت جسمانی قوّت اور بالخصوص دماغی طاقت میں زوال اور فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ البتّہ قوائے اخلاقی سے جس قدر زیادہ کام لیا جائے اور جس قدر اُن کی مشق کرائی جائے اُسی قدر مفید ہے +

۱۲۔ قانون عادت کثرتِ مشق سے طبیعت کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ جو باتیں ہم کو نہایت ہی مشکل اور ناپسندیدہ معلوم ہوتی تھیں وہ بھی رفتہ رفتہ آسان اور خوش گوار معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور اُن کے کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ حُکما نے کہا ہے۔ **العادة طبیعة ثانیة**" یعنے عادت دوسری فطرت بن جاتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جن امور کی بچّے کو تعلیم دینا چاہیں اُن کی یہاں تک مشق کرائی جائے کہ اُس کو عادت ہو جائے۔ اور وہ ہر ایک کام

کو خود بخود اپنے دل کی اُمنگ سے بغیر کسی دباؤ کے پورا کر سکے +

۱۳ - قانون موازنہ اس کے یہ معنے ہیں کہ تینوں قسم کی تربیت پہلو بہ پہلو ہونی چاہیئے قوائے جسمانی و عقلی و اخلاقی کی نشوونما میں اُن کے باہمی تناسب اور قدرتی تعلق کا لحاظ رکھنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ مثلاً قوائے عقلی کی تربیت کے خیال میں قوائے اخلاقی کی تربیت فوت ہو جائے یا قوائے اخلاقی کی تربیت کی جائے مگر قوائے جسمانی کی تربیت کو نظر انداز کر دیا جائے +

اکثر مدرسوں میں صرف قوائے عقلیہ کی ترقی کو تربیت کی علّت غائی سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ مُعلّم و مُتعلّم دونوں اپنا ظاہری فائدہ اسی میں دیکھتے ہیں جسمانی اور اخلاقی تربیت پر برائے نام توجہ کرتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ تربیت کا مقصد یہی ہے کہ ہر ایک قوت اپنے درجۂ کمال کو پہنچ جاوے +

۱۴ - قانون تشخص سب بچّوں کی جسمانی عقلی اور اخلاقی قابلیتیں یکساں نہیں ہوتی ہیں ایک کی خصلت اور عیب اور خوبیاں دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً کوئی سُست اور کاہل ہے تو کوئی تیز اور طرّار۔ کوئی غافل اور بے پروائی ہے۔ تو کوئی محنتی اور خبردار۔ کوئی مضبوط اور قوی ہے تو کوئی کمزور ضعیف کوئی دلیر ہے۔ تو کوئی ڈرپوک۔ کوئی سچ بولنے کی طرف رغب ہے تو کوئی جھوٹ بولنے کی طرف مایل۔ اِس لیئے مُعلّم کا فرض ہے کہ ہر ایک لڑکے کی استعداد اور قابلیت سے واقفیت

پیدا کرے اور اُسی کے موافق اس کو تربیت کرے جو عادتیں اُس میں عمدہ ہوں اُن کو پختہ بنائے - اور بُری عادتوں کو دور کرنے کی کوشش کرے - جانوروں کی طرح سب بچوں کو ایک لکڑی ہانکنا ٹھیک نہیں ہے - اِس میں شک نہیں کہ معلّم بچّے کی میلان طبع اور اُس کی ضرورتوں کو ایسی عمدگی کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا - جس طرح والدین سمجھ سکتے ہیں - تاہم اِس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالنا چاہیئے - کہ معلم اناپ شناپ تربیت کیا کرے بلکہ اُس کا فرض ہے کہ حتی الامکان ہر ایک بچّے کی طبیعت سے واقفیت پیدا کرنے کے بعد اُس کو تربیت کرے*

۱۵ - قانون محنت و نفس کشی یہ ایک عام اور سچّا مقولہ ہے - کہ "علم کا راستہ کسی شاہ راہ پر ہو کر نہیں جاتا" - اِس کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل علم کی راہ ایسی آسان نہیں ہے - کہ آنکھیں بند کئے بلا تکلّف منزلِ مقصود تک جا پہنچیں یہ راہ نہایت سخت اور دشوار گذار ہے - حصولِ علم کے لیئے محنت کی ضرورت ہے - معلّم اپنے شاگردوں کی محنت کو ہلکا تو کر سکتا ہے - مگر ایسا نہیں کر سکتا کہ اُن کے بدلے خود محنت اُٹھائے اور اُن کو بالکل سبکدوش کر دے - اسی طرح تربیت اخلاق میں نفس کُشی کی ضرورت ہے - نفس کُشی سے ہماری مُراد ہے - کہ "نفس کو مارنا اور اپنی طبیعت پر جبر اُٹھانا" - حقیقت میں نفس کا مارنا بڑی مردانگی کا کام ہے - بلکہ اصلی بہادری یہی ہے - ہر شخص کی طبیعت میں خود غرضی ہوتی ہے - نفس

کُشی ہی کی بدولت انسان خودِ غرضی کے دائرے سے نکل کر دوسروں کو فیض پہنچاتا ہے۔ پس مُعلّم کو لازم ہے کہ شروع ہی سے بچّے کو محنت کے ڈھنگ پر ڈالے اور اس میں نفس کُشی کی عادت پیدا کرے۔ مُعلّم تعلیم و تربیت میں اپنی کامیابی کا اندازہ اس بات سے کر سکتا ہے۔ کہ اُس کے شاگردوں نے محنت اور نفس کُشی کہاں تک سیکھی ہے +

۱۴ - قانون اتفاق و اتحاد اس سے ہماری یہ مراد ہے کہ مُعلّم اور مُتعلّم دونوں ملکر کام میں مصروف ہوں۔ مُعلّم کا یہ کام ہے کہ مُتعلّم کو کام کرنے کی تحریص و ترغیب دے۔ مُتعلّم کا یہ کام ہے کہ کارِ مقرّرہ کو برضا و رغبت اور دل کی اُمنگ کے ساتھ کرنے کو آمادہ رہے۔ چونکہ بچّے کی طبیعت ابتدا میں کمزور ہوتی ہے۔ اِس لیئے کچھ شک نہیں کہ اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے کچھ نہ کچھ دباؤ کی ضرورت پیش آئے گی مگر دباؤ کو ترغیب کے تابع رکھنا چاہیئے بچّوں پر ہر وقت دباؤ ڈالنا نہایت مُضر ہے۔ اِس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اُن کے دلوں میں کام کرنے سے نفرت ہو جائے گی تعلیم و تربیت کی خوبی اسی میں ہے کہ بچّے خود اپنے شوق سے کام کرکے لائیں اور اُن کو اپنے کام میں ایک طرح کا حظ آنے لگے۔ اِس شوق کا پیدا کرنا مُعلّم کا فرض ہے۔ (دیکھو دفعہ ۴) اس کے وسائل یہ ہیں کہ مُعلّم طلبہ کا ہمدرد رہے اُن کا دِل بڑھاتا رہے۔ اور اُن کی مُشکلات کو رفع کرے +

اب ہم تربیت کی تینوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ تین بابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے *

باب اوّل

تربیت جسمانی

فصل اوّل۔ جسمانی تربیت کے مقاصد

١٧۔ تعریف اور غرض تربیت جسمانی سے یہ مراد ہے کہ ہمارے تمام اعضا اور قواے جسمانی اپنا معمولی کام بخوبی انجام دینے کے لائق ہو جائیں اِس سے ظاہر ہے کہ اس میں دو غرضیں شامل ہیں +

(١) جسم میں صحت کا پیدا کرنا اور اُس کو قایم رکھنا۔

(٢) جسم کی طاقت اور چُستی کو ترقی دینا۔

ان دونوں غرضوں کا ماحصل یہ ہے کہ طُلبا عقلی اور اخلاقی تربیت کے لیۓ تیار اور قابِل ہو جائیں +

١٨۔ جسمانی تربیت کی ضرورت عقلی اور اخلاقی تربیت کی نسبت جسمانی تربیت کچھ کم ضروری نہیں ہے اگر جسم بیمار یا کمزور ہو تو نہ قواے عقلی کی پوری تربیت ہو سکتی ہے اور نہ قواے اخلاقی کی۔ بیمار اور کمزور آدمی کسی کام پر استقلال کے ساتھ محنت نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ اپنے جذبات پر غالب آ سکتا ہے اور نہ

اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتا ہے۔ غرض عقلی اور اخلاقی تربیت کی مضبوط بنیاد و جسمانی تربیت ہی پر منحصر ہے۔ اس سے جسمانی تربیت کی عظمت صاف ظاہر ہے۔

اگرچہ معلّم کا جسمانی تربیت سے اتنا تعلّق نہیں ہے۔ جتنا عقلی اور اخلاقی تربیت سے ہے تاہم تربیت کے اُس قدیم اُصول کو کہ "نفس صحیح جسم صحیح میں رہتا ہے"۔ نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ چونکہ ہم کو اِنسان کی تربیت کرنی مقصود ہے۔ اور انسان جسم اور نفس دو چیزوں سے مرکب ہے اس لِئے عقل اور اخلاق کی تربیت کے علاوہ جسمانی تربیت بھی مُعلّم کا فرض ہے۔ پس اس کو ایسے اسباب اَور وسائل بہم پہنچانے چاہئیں جن سے طلبہ کی جسمانی صحت بنی رہے

۱۹۔ جسمانی تربیت کے لِئے کیا کیا علم درکار ہے اوپر کے بیان سے معلُوم ہُوا کہ جسمانی تربیت بھی معلم کا فرض ہے۔ اِس لِئے اِس کو اُصول حفظان صحت سے کافی واقفیت ہونی چاہیئے تاکہ طلبہ کی صحت کو قائم رکھ سکے اس کے سوا علم طِب بھی کچھ نہ کچھ آنا چاہیئے۔ تاکہ بچّوں کی بیماریوں کو سمجھ سکے اور ہر ایک طالب علم سے ایسی ورزش کرائے۔ جس سے اُس کے قوائے پر زیادہ زور نہ پڑے۔ علم فزیا لوجی (یعنی جسم اِنسانی کی ساخت اعضائے اندرونی و بیرونی کے عمل اور طریقِ عمل۔ بالخصوص اعضائے رئیسہ۔ دِل۔ دماغ۔ جگر۔ نظام اعصاب و شرائین۔ دوران خون وغیرہ اُمور) سے بھی تھوڑی بُہت واقفیت ہونی چاہیئے +

فصل دوم

صحت کا قائم رکھنا

۲۰ - ضروریات صحت صحت کے واسطے مفصلہ ذیل چیزیں ضروری ہیں :-

ہوا - پانی - غذا - لباس - نیند - ریاضت - ان میں سے ہر ایک کے متعلق ضروری ہدایتیں لکھی جاتی ہیں +

۱ - ہوا - ہوا دو بڑے جزوں سے مرکب ہے - آکسیجن اور نائٹروجن - سانس کے ذریعے سے آکسیجن پھیپھڑوں کے اندر جاتی اور جسم کے اندر جو غلیظ مادے ہیں ان کے ساتھ ملکر باہر نکلتی ہے - اِس وقت اُس کو کاربانک ایسڈ گیس کہتے ہیں یہ ایک قسم کی زہریلی ہوا ہے - اور صحت کے لئے بہت مُضر ہے - اِس لِئے سانس لینے کے لِئے خالص اور تازہ ہوا کی بڑی ضرورت ہے - کثیف اور بد بو دار ہوا میں سانس لینے سے بیمار ہو جاتے ہیں - اور رنگ پیلا پڑ جاتا ہے - پس مکانوں میں تازہ ہوا کی آمد و رفت کا کافی انتظام ہونا چاہیئے جس مکان میں سیل ہو - اُس کی ہوا بھی خراب ہو جاتی ہے - ایسا مکان رہنے کے لایق نہیں ہے غرض سیل اور غلاظت دونوں بیماری کی جڑ ہیں -

۲ - پانی - پانی پینے کا ہو خواہ برتنے کا صاف ہونا چاہیئے

اس میں کسی کی کثافت ملی ہوئی نہو - رنگ - بو - اور مزہ میں
کچھ فرق نہ ہو - کثیف پانی پیٹ میں پہنچکر یا جلد سے چھُوکر
طرح طرح کی خرابیاں پیدا کرتا ہے - دیہات میں عموماً یہ خراب
دستور ہے کہ جن تالابوں اور جوہڑوں میں لوگ مویشی کو نہلاتے
اور پانی پلاتے ہیں - اُنھی کا پانی آپ بھی استعمال کرتے ہیں
یہ پانی نہایت مضر صحت ہے - اَور ہرگز استعمال کے لایق
نہیں +

۳ - غذا - گوشت - خون - ہڈی - رگ - پٹھے سب غذا ہی سے
بنتے ہیں - اِس لیئے غذا کا صحّت بخش - مقوی اور زود ہضم
ہونا نہایت ضروری ہے - کھانا بھوک کے موافق کھانا چاہیئے
اتنا نہ کھاؤ جس سے دُکھ پاؤ - ایک وقت بہُت سا کھانا ہاضمہ
اور صحّت کے لِیئے مُضر ہے - اِس لِیئے کئی دفعہ تھوڑا تھوڑا
کھانا بہتر ہے - خاص کر بچّوں کے لِیئے +

۴ - لباس - لباس موسم کے موافق ہونا چاہیئے - جس
سے جسم کو آرام ملے - سردی میں گرم اور گرمی میں ہلکے کپڑے
پہننے چاہیئں - اِس کے علاوہ کافی بھی ہونا چاہیئے - یعنی
سارا بدن اُس سے ڈھکا رہنا چاہیئے - اکثر دیکھا جاتا ہے
کہ بعض لڑکے خصُوصًا دیہات کے رہنے والے گرمی میں
ننگے بدن رہتے ہیں اور جاڑے میں صرف ایک چادر اوڑھ
لیتے ہیں - اوّل تو یہ بات مکروہ اور قابلِ اعتراض ہے -
دوسرے اِس سے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہے +

لباس کا صاف ہونا بھی ضروریات سے ہے ورنہ اِس کی غلاظت بذریعہ مسامات جسم کے اندر پہنچ کر بیماری کا باعث ہوگی - مُعلّم کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے +

۵- نیند- صحّت کے واسطے نیند بھی ضروری ہے - اِس سے تکان دور ہو جاتی ہے- بدن میں توانائی آتی ہے- دوسرے روز کے کام کے واسطے تازہ دم ہو جاتے ہیں - ہر شخص کو اپنی عادت اور فُرصت کے موافق سونا چاہیئے - اس کی بابت کوئی قاعدۂ کُلیّہ مقرر نہیں ہو سکتا - مگر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بچّوں کو جوانوں اور بُڈّھوں کی نسبت زیادہ سونا چاہیئے - بعض لڑکے تمام رات اور دِن کا بُہت سا حصّہ سونے میں گزار دیتے ہیں - اور بعض رات کے وقت دیر تک پڑھتے ہیں اور دن نکلے تک سوتے رہتے ہیں - یہ دونوں عادتیں مُضرِ صحت ہیں - سویرے سونا اور صبح ہی اُٹھنا صحّت کے واسطے مُفید ہیں بقول شخصے - ؎

رات کو سونا سویرے صُبح کو اُٹھنا شتاب + صحت اور دولت بڑھائے عقل کو دے آب و تاب

۶- ریاضت - یعنی جسمانی ورزش اِس کا بیان آگے آتا ہے -

۱۲- ریاضت کے فوائد قدیم زمانے کے لوگ قوی الجثّہ اور مضبوط ہوتے تھے - آج کل کے بچّے ضعیف القویٰ اور نحیف دیکھنے میں آتے ہیں اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ریاضت جسمانی پر بُہت توجّہ کرتے تھے - ڈنڑ پیلتے تھے مُگدر ہلاتے تھے بیٹھکیں لگاتے تھے - غرض طرح طرح کی ورزشیں کرتے تھے -

ابتداے عُمر سے گھر کے دھندوں میں نہیں پھنستے تھے - اِن کو بے فکری اور آزادی زیادہ حاصل تھی - بر عکس اسکے اس زمانہ میں طالب علموں کو ریاضت کا شوق نہیں - بعض تو شروع ہی سے کتاب کے کیڑے بن جاتے ہیں - اور بعض بالکل آوارہ اور خُدائی خوار پھرتے ہیں - اِس کے سِوا بچپن ہی سے خانگی ذمہ داریوں کا بوجہ اُن کی گردن پر پڑ جاتا ہے - ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے - کہ ان کو جسمانی تربیت حاصل نہیں ہوتی - اور عقلی اور اخلاقی تربیت سے بھی بے بہرہ رہتے ہیں +

اب ہم ریاضت کے چند فائدے مجملاً بیان کرتے ہیں +

(۱) ریاضت سے بھوک خوب لگتی ہے - معدہ زیادہ غذا ہضم کر سکتا ہے - جو جزو بدن ہو جاتی ہے -

(۲) جسم کے رگ و پے خوب پھیلتے اور نشو نما پاتے ہیں جس سے بدن خوبصورت نکل آتا ہے - بدن میں چُستی اور چالاکی پیدا ہوتی ہے - طاقت اور صحت قائم رہتی ہے -

(۳) پسینہ جسم سے زیادہ خارج ہوتا ہے - اور اندرونی کثافتیں پسینے کے ساتھ ساتھ جسم سے باہر نکلتی رہتی ہیں +

(۴) تنفّس جلد جلد ہوتا ہے - آکسیجن کی مقدار پھیپھڑوں میں زیادہ پہنچتی ہے +

(۵) طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی ہے - اور جب طُلبہ مِل جُل کر ورزش کرتے ہیں - تو اُن میں باہمی محبّت اور ربط و

اتحاد زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ جسمانی ورزش کے فائدے بہت ہیں مگر حد اعتدال سے زیادہ ورزش نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان ہوگا۔

۲۲ - ریاضت کی مختلف قسمیں ریاضت کے لِئے کسی قدر سامان تو قدرت نے خود ہی مُہیّا کر دیا ہے۔ چلنا پھرنا ہنسنا بولنا وغیرہ بھی ایک طرح کی ورزشیں ہیں۔ اور صحّت کے لِئے مفید ہیں مگر یہ ورزشیں کافی نہیں ہیں۔ اِس لِئے ہم یہ بتائیں گے کہ طُلبا کو کس قسم کی ورزشیں کرانی چاہئیں۔

بُہت چھوٹے بچّوں سے کوئی خاص ورزش نہیں کرانی چاہیئے ۔اُن کے لِئے معمولی کھیلنا کودنا ہی کافی ہے۔ بڑی عمر کے لڑکوں کو مختلف قسم کی ورزشیں کرانی چاہئیں۔ مثلاً گیند بلّا۔ فٹ بال دوڑنا۔ پہاڑیوں یا ٹیلوں پر چڑھنا۔ تیرنا۔ ہاری زنٹل بار اور پریلل بارز کی ورزشیں۔ اونچا یا لمبا کودنا۔ رسا کھینچنا بانس یا رسّی پر چڑھنا۔ جنگی قواعد وغیرہ۔ دیسی کھیل مثلاً کبڈی۔ جوڑی ہلانا۔ ڈنٹر پیلنا وغیرہ بھی مُفید ورزشیں ہیں۔ اِن کے سوا جو لڑکے فہیدہ اور بڑی عمر کے ہوں۔ اُستاد کو چاہیئے کہ اُن کو ایک دو میل ہوا خوری کے لِئے کبھی کبھی اسپنے ساتھ لے جائے اور رستے میں مختلف دلچسپ مضامین کا تذکرہ ہوتا رہے اس سے لڑکے بہُت خوش ہوں گے۔ اور اُن کو فائدہ بھی بہُت ہوگا +

اُستاد کو اِس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ ورزش میں حد سے

زیادہ تکان نہ ہو۔ ورزش کے بعد سرد ہوا کا بدن کو لگنا
یا عین پسینے کی حالت میں پانی پینا بہت مُضر ہے۔ طلبہ کو
ورزش کا شوق دلانے کے لئے مُعلّم کو وقتاً فوقتاً خود بھی اُن کی
ورزشوں کو دیکھنا۔ اَور اُن میں شریک ہوکر طلبہ کا دل بڑھانا
چاہیئے۔ اور اگر کوئی طالب علم کھیل کے میدان میں جھگڑا فساد کرے
تو اُسے روکنا چاہیئے۔ سب سے بہتر سزا یہ ہے کہ اُس کو کچھ عرصے
تک کھیل میں شامل نہ ہونے دیا جائے +

فصل سوم

مختلف ہدایات بابت صحّت طلبہ

۲۳ - صحّت طلبہ عام طور پر صحّت کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں
اُن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اب چند ہدایتیں جن کا
تعلق خاص کر طلبہ کی صحت سے ہے اَور جن کا مُعلّم کو زیادہ تر
خیال رکھنا چاہیئے لکھی جائیں گی۔ یہ ہدایتیں مفصلہ ذیل اُمور کے
متعلق ہیں +

(۱) وقت تعلیم (۲) طلبہ کی نشست (۳) کثرت کار
(۴) صفائی کی عادت (۵) بیمار طلبہ

۲۴ - وقتِ تعلیم اس امر کا فیصلہ کہ مدرسہ میں روز مرّہ
کتنے عرصے تک تعلیم دینی چاہیئے۔ دو باتوں پر منحصر ہے +
اوّل - طلبہ کی عمر اور مضامین تعلیم کی ماہیّت۔ یعنی اُن کا

مشکل یا آسان ہونا۔ اگر تعلیم کے مضامین مشکل ہوں تو مدرسہ کا وقت بھی نسبتاً زیادہ ہوگا۔ اور اگر آسان ہوں تو کم وقت دیا جائے گا +

دوم۔ مکان مدرسہ کی حیثیت ۔ اگر مدرسہ میں ہوا۔ روشنی حرارت وغیرہ کا معقول انتظام ہو تو جماعت زیادہ وقت تک کام کرسکتی ہے۔ ورنہ بہت دیر تک مدرسہ میں ٹھیرنے سے طلبہ کی صحت میں ضرور فرق پڑ جائے گا +

طلبہ کی عمر وغیرہ کا لحاظ کرکے پنجاب کے مدارس میں حصہ ابجد خوانان یعنی ابتدائی جماعت کے لئے تعلیم کا وقت ۳ ½ گھنٹے اور اور حصہ لور کی دوسری اور تیسری کے لیئے ۴ ½ گھنٹے۔ قرار دیا گیا ہے۔ حصہ اپر پرائمری کی چوتھی اور پانچویں جماعتوں کو ۵ گھنٹے تعلیم ہونی ہے۔ اور حصہ مڈل کی تینوں جماعتوں کے لئے تعلیم کا وقت ۶ گھنٹے مقرر ہے۔ البتہ اگر موسم بہت گرم ہو تو ہر ایک گھنٹے میں سے پانچ سات منٹ کم کرسکتے ہیں۔ اس کے سوا ہر جماعت کی ورزش کے واسطے آدھ گھنٹہ روز علیحدہ مقرر ہے۔ تعلیم کا نصف وقت گذرنے کے بعد بیچ میں ۱۵ - ۲۰ منٹ کی چھٹی بھی دیجاتی ہے۔ کیونکہ معلم اور متعلم دونوں لگا تار پانچ چھ گھنٹے تک برابر کام نہیں کرسکتے ہیں +

۲۵۔ طلبہ کی نشست معلم کو تعلیم کے وقت طلبہ کی نشست کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اور جس نشست سے طلبہ کی صحت کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو اُسی سے روکنا چاہیئے اکثر لڑکے ٹانگ پر ٹانگ یا زانو پر زانو دھر کر بیٹھتے ہیں

لکھتے وقت دائیں شانہ کو بائیں شانہ سے اونچا رکھتے ہیں یا جسم کو آگے کی طرف جُھکا دیتے ہیں یا سینہ کو ڈسک سے ملا کر ٹانگوں کو پیچھے ڈال دیتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں بُہت بُری ہیں جس نشست سے پھیپھڑوں کے دبنے اور سُکڑ جانے کا احتمال ہو۔ بالخصوص ایام طفولیت میں اس کو صحت کے لئے سخت مضر سمجھنا چاہیئے۔

بچّوں کی نشست ہمیشہ باقاعدہ ہونی چاہیئے پاؤں ایک دوسرے کے برابر رہیں جسم میز کے متوازی رہے۔ کمر سیدھی رہے۔ کہنیاں ایک ہی سطح پر رہیں۔ طلبہ بُہت دیر تک ایک ہی طرز پر بیٹھے یا کھڑے نہ رہیں۔ خصوصًا جن بنچوں میں کمر کے لئے سہارا یعنی پُشتہ نہ ہو۔ اُن پر بہت دیر تک بیٹھنے سے تکلیف اور بے چینی ہوتی ہے اور کمر کے جھک جانے کا اندیشہ ہے۔

۲۶۔ کثرت کار طلبہ سے محنت زیادہ لینا اُن کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ہر عقلی کام میں دماغ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ جو کام معلم مدرسہ میں پورا کرائے یا گھر پر کرنے کے واسطے بتائے اُس میں طلبہ کی قوت اور استعداد کا لحاظ رکھے۔ اگر اعتدال سے زیادہ کام لیا گیا۔ تو طلبہ کا دماغ ضعیف ہو جائے گا۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کے قوائے ہمیشہ کے لئے بے کار ہو جائیں گے۔ اور وہ عمر بھر کسی نہ کسی مرض میں مبتلا رہیں گے۔

چھوٹے بچوں کی تعلیم میں اُستاد کو خاص کر اس بات کا خیال رکھنا لازم ہے۔ بعض نوجوان اور ناتجربہ کار معلّم یہہ خیال کیا کرتے ہیں۔ کہ عقلی کام زیادہ لینے سے قوائے عقلی تیز ہوتے ہیں۔ اور جسمانی صحت پر اُس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ جسم اور نفس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک سے زیادہ کام لینا دوسرے کے لئے بالضرور مُضر پڑتا ہے۔

۲۷۔ صفائی کی عادت اس سے پہلے ہوا۔ پانی اور لباس کے بیان میں صفائی کا ذکر اشارۃً آیا ہے۔ یہاں اُس پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جاتی ہے۔

بہت سی بیماریاں صرف صفائی کی غفلت سے پیدا ہوتی ہیں خواہ جسمانی صفائی ہو خواہ لباس کی۔

کامل صفائی کے یہ معنے ہیں کہ اپنا تمام بدن دبال۔ جلد۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ ناخن وغیرہ) صاف رکھنے کے علاوہ اپنے لباس مکان۔ کتابوں۔ غرض تمام اسباب و سامان کو بھی صاف رکھا جائے۔ جسم کی صفائی صرف پانی کے استعمال سے ہو سکتی ہے۔ اِس لِئے حتی المقدور ہر روز احتیاط کے ساتھ نہانا دھونا چاہیئے۔ طلبہ کو صفائی کی عادت ڈلوانے کے لئے صفائی کے فائدے اچھی طرح اُن کو سمجھا دینے چاہئیں۔ مثلاً۔

(۱) صفائی سے صحت قایم رہتی ہے اور غلاظت بیماری کی جڑ ہے۔

(۲) صاف ستھرا رہنے سے نہ صرف اپنا بلکہ اوروں کا دل بھی خوش ہوتا ہے۔

(۳) صفائی کی بدولت کام کرنے کا شوق خود بخود پیدا ہوتا ہے۔

(۴) مذاق درست ہوتا ہے۔ اور ہر کام کو باقاعدگی کے ساتھ پورا کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) غلاظت سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے۔ لوگ میلے آدمی کو اپنے پاس بٹھانے کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ مگر جب تک معلم خود صفائی کا نمونہ پیش نہ کرے گا۔ زبانی تعلیم و تلقین کا اثر بہت ہی کم ہوگا۔ پس معلم کا بذاتِ خود صفائی پسند ہونا نہایت ضروری ہے۔

۲۸۔ بیمار طلبہ۔ بیمار طالب علموں کو مدرسہ میں نہیں رکھنا چاہیئے اُن کو فوراً گھر بھیج دینا چاہیئے۔ اور جب تک وہ اچھی طرح تندرست نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک اُن کو دوبارہ مدرسہ میں نہیں آنے دینا چاہیئے۔ جو طالب علم اس قدر ضعیف القوےٰ اور نحیف الجثہ ہوں کہ مدرسہ کی محنت سے اُن کی صحتِ جسمانی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو یا کسی مرض متعدی میں مبتلا ہوں جس سے مدرسہ کے طلبہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ اُن کو مدرسہ میں داخل نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ معلم کو عام بیماریوں اور بالخصوص امراض متعدیہ (بخار کھسرا۔ چیچک۔ خارش۔ کالی کھانسی۔ وغیرہ) کی علامتوں سے واقف ہو۔

باب دوم

تربیت عقلی

فصل اوّل۔ تربیت عقلی کے مقاصد

۲۹۔ تربیت عقلی کی تعریف اور ضرورت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ تربیت عقلی سے مُراد ہے قُوائے عقلیہ (مُدرکہ۔ حافظہ۔ متخیلہ۔ عقل) کو اِس طرح آراستہ کرنا کہ ہر ایک قوت اپنے اپنے کاموں کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکے +

حیوانات میں مدرکہ۔ حافظہ و متخیلہ کچھ نہ کچھ پائی جاتی ہیں۔ مگر عقل۔ یعنی غور و فکر کرنے۔ معلومات حاصل کردہ پر احکام لگانے اور اُن سے نتائج نکالنے کی قوت اُن میں بالکل نہیں ہے۔ یہ صرف اِنسان کا خاصہ ہے۔ عقل ہی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ تربیت عقلی سے یہ چاروں قوتیں بالخصوص قوت عقل۔ باقاعدہ طور پر نشو و نما پاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ تربیت عقلی کس قدر ضروری ہے +

تربیت عقلی کا مدعا یہ ہے کہ :۔

(۱) اِنسان کو مسلسل طور پر غور و فکر کرنے کی عادت ہو جائے

کتاب پڑھے تقریر سُنے۔ گفتگو کرے یا مضمون لکھے تو تمام مطالب
کو ترتیب وار لگا سکے۔ اِسی طرح دنیاوی معاملات کو سوچے سمجھے۔
اور جو دقتیں درپیش ہوں اُن کو رفع کرنے کی تدبیر نکالے +

(۲) ہر معاملہ سے جو نتائج نکل سکتے ہوں۔ نکالے۔ اور اپنے
اور نیز دوسرے لوگوں کے تجربوں سے خود فائدہ اُٹھائے۔ اور
دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے +

یہ باتیں قوائے عقلیہ کی تربیت پر منحصر ہیں +

۳۰- قوائے عقلیہ کا نشو و نما قواے عقلیہ مثل اعضائے جسمانی
کے علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک عقلی عمل میں تمام قوتیں
برابر عمل کرتی ہیں۔ اِس لئے اِس امر کا تصفیہ بھی مشکل ہے کہ
یہ چاروں قوتیں کس ترتیب سے نشو و نما پاتی ہیں۔ البتہ عام
طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جس ترتیب سے اُن قواے کے
نام لکھے گئے ہیں اُسی ترتیب سے اُن کی تربیت ہونی چاہیئے۔
ابتدا میں **قوت** مدرکہ (مشاہدہ کی طاقت) زور پر ہوتی ہے۔
حافظہ بھی بہت چھوٹی عمر سے اپنا عمل شروع کر دیتا ہے۔
اِس کے بعد **متخیلہ** اور سب سے پیچھے **عقل** نشو و نما پاتی ہے۔
عموماً تین سال کی عمر میں بچہ اپنے قواے مشاہدہ سے کام
لے سکتا ہے۔ تین اور چھ سال کے درمیان۔ مدرکہ اور
متخیلہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چھ اور دس سال کے درمیان
حافظہ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ آٹھ اور دس سال کے درمیان
عقل اور قوت استدلال کی ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ اب ہم
ہر ایک قوت کا حال ایک ایک فصل میں بیان کریں گے +

فصل دوم - قوت مدرکہ

۴۱ - حواس خمسہ قوت مدرکہ کی تعریف میں پہلے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اِس قوت سے ہم اشیائے خارجیہ کا علم بذریعہ حواس کے حاصل کرتے ہیں - اب حواس کا ذکر کیا جاتا ہے ؛
خدائے تعالیٰ نے ہر شخص کو پانچ قوتیں عطا کی ہیں -
(۱) باصرہ - یعنی دیکھنے کی قوت اِس کا مقام آنکھ ہے ؛
(۲) شامہ - یعنی سونگھنے کی قوت - اِس کا مقام ناک ہے ؛
(۳) ذائقہ - یعنی چکھنے کی قوت - اِس کا مقام زبان ہے -
(۴) سامعہ - یعنی سننے کی قوت - اِس کا مقام کان ہے ؛
(۵) لامسہ - یعنی چھونے کی قوت - اس کا مقام تمام بدن اور خاص کر انگلیوں کے سرے ہیں ؛

۴۲ - احساس و ادراک حواس خمسہ کے ذریعہ سے نفس پر جو اثر ہوتا ہے - اُسے حِس کہتے ہیں - اِس کی کیفیت یہ ہے کہ مختلف جسمانی اعضا سے مختلف شریانیں تمام بدن میں پھیلتی ہیں - ان کا سلسلہ دماغ میں جاکر ختم ہوتا ہے - اشیاء خارجیہ کے خواص مختلف شریانوں پر اثر کرتے ہیں - جب یہ اثر دماغ پر پہنچتا ہے تو اُس سے ایک کیفیت خاص نفس پر طاری ہوتی ہے - جیسے بُو کا آنا - آواز کا سُنائی دینا - کسی شے کا سخت یا نرم معلوم ہونا - وغیرہ یہی حِس ہے ؛
ابتدا میں بچّوں کو صرف احساس ہوتا ہے - یعنی اُن کو

نفس اشیار کی بابت علم نہیں ہوتا - بلکہ صرف اُن کی کیفیات
کا علم ہوتا ہے - جس قدر تجربہ بڑھتا ہے - رفتہ رفتہ ان کیفیات
کو اشیار خارجیہ سے منسوب کر لیتے ہیں - اسی کو ہم ادراک
کہتے ہیں - مثلاً جب بچّے کسی چمکدار رنگ کو دیکھتے ہیں - یا
کوئی تیز خوشبو سونگھتے ہیں تو اُن کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ
یہ رنگ و بُو کس شَے سے حاصل ہوئی ہے - صرف اُس کی
کیفیت اُن کے نفس پر ظاہر ہوتی ہے - پس احساس اور
ادراک میں یہی فرق ہے - کہ

(۱) احساس میں ہم کو اشیائے خارجیہ کی صرف کیفیات
کا علم ہوتا ہے +

(۲) ادراک کے ذریعہ سے ہم اشیائے خارجیہ کی کیفیات
کو اُن سے منسوب کرتے ہیں - یا یوں کہو کہ اشیاے مذکورہ
کو اُن کیفیات کی عِلّت قرار دیتے ہیں +

اِس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ ادراک میں احساس
شامل ہے - اور احساس ادراک کی ابتدائی صورت ہے
اور اِدراک احساس پر مُنحصر ہے -

۴۳ - تربیت حواس کی ضرورت اشیائے خارجیہ کا تمام
علم حواس خمسہ ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے -
اِس لیئے اُن کو علم کے پانچ دروازے کہتے ہیں - مگر
جب تک معلومات حاصل کردہ صحیح اور قابل اعتبار نہوں -
علم سے کچھ فائدہ نہ ہوگا - یہ بات حواس کی تربیت

ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر حواس کی تربیت نہ کی جائے تو وہ کاہل اور کند ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا عمل بھی قابل اعتبار نہیں رہتا۔ پس تربیت حواس کا مقصد یہی ہے۔ کہ حواسوں میں چُستی اور تیزی آجائے اور جو علم اُن کے ذریعہ سے نفس کو حاصل ہو وہ صحیح اور قابلِ اعتبار ہو +

۴۴۔ تربیت حواس کے اُصول اب تربیت حواس کے اُصول بتائے جاتے ہیں +

(۱) **حواس خمسہ کی بخوبی مشق کراؤ۔** قوت باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ سامعہ۔ لامسہ کی ترقی دیکھنے۔ سونگھنے۔ چکھنے۔ سُننے اور چھونے سے ہوتی ہے۔ اِس لئے ہر ایک قوت کی تربیت کے لئے مناسب اشیاء کا سامان مہیّا کرو۔ اور اُن کے مختلف خواص سے بچّوں کو واقفیت پیدا کراؤ۔ پس **قوت باصرہ** کی تربیت کے واسطے بچّوں کو مختلف رنگ دکھاؤ۔ چیزوں کی ایسی خاصیتیں جو دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ مثلاً قد۔ صُورت تعداد۔ حرکت فاصلہ وغیرہ کا مشاہدہ کراؤ۔ **قوتِ شامہ** کی ترقی کے لئے مختلف چیزوں کی بُو سُونگھاؤ۔ **قوتِ ذائقہ** کو ترقی دینے کے لئے میٹھا۔ کھٹّا۔ نمکین۔ کڑوا۔ پھیکا وغیرہ ذایقے چکھاؤ۔ **قوتِ سامعہ** کی ترقی مختلف آوازیں سُننے سے ہوتی ہے۔ مثلاً اونچی۔ نیچی۔ بلند نرم۔ خوش آیندہ۔ دل سوز وغیرہ + **قوتِ لامسہ** کی تربیت کے لئے ہلکی۔ بھاری۔ سخت۔ صاف۔ لچکدار۔ گرم۔ سرد وغیرہ اشیاء پیش کرو +

(۲) تربیت حواس صرف مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے۔ بچے خود مختلف چیزوں کو دیکھ بھال کر اُن کے خواص سے آگاہی حاصل کریں۔ معلم صرف ہدایت کرتا رہے۔ معلّم کا اشیار کے خواص طلبہ کے سامنے زبانی بیان کر دینا مثلاً یہ کہنا کہ "دیکھو یہ شے گول ہے"۔ "یہ ہموار ہے"۔ "یہ صاف ہے"۔ "یہ زرد ہے" اور بچے اپنے حواس سے کام نہ لیں محض بے سود ہے۔ اورکسی طرح تربیت حواس میں داخل نہیں ہے۔

(۳) اوّل اوّل اشیار کے ایسے فرق لینے چاہئیں جو نہایت واضح ہوں۔ مثلاً مربع اور دائرہ مستطیل اور مربع کا فرق ابتدا میں بچے اچھی طرح نہیں سمجھ سکیں گے باریک فرقوں کے معلوم کرنے کی عادت رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے +

(۴) معلم کی گفتگو تعجب خیز ہونی چاہیئے۔ جس سے طلبہ کو شوق پیدا ہو اور طلبہ کا دل بڑھانا چاہیئے۔ کہ جو بات چاہیں دریافت کریں +

(۵) کسی شے کے مشاہدہ کرانے کے بعد جب اُس شے کی خاصیت کا اثر یا خیال طلبہ کے ذہن میں پیدا ہو جائے تو اُس وقت اُس کا نام بتانا چاہیئے۔ مگر اُسی ترتیب سے کہ اوّل وہ شے بچوں کے سامنے پیش کی جائے۔ پھر اُس کے خواص کا تصور دلایا جائے اُس کے بعد الفاظ جو اُن کو تعبیر کرتے ہیں۔ بتائے جائیں۔ الفاظ کے بتانے کی ضرورت اِس

وجہ سے ہے کہ بغیر الفاظ کے ہم کچھ ترقی نہیں کر سکتے۔ اُن خیالات کو نفس میں قایم رکھنے کے لئے ضرور ہے کہ اُن کے واسطے نام مقرر کئے جائیں تاکہ جن اشیار کا مشاہدہ کیا گیا ہے جس وقت وہ نظر کے سامنے سے غائب ہو جائیں تو الفاظ کے ذریعے سے ان کا خیال فوراً ذہن میں آ جائے **تخیلات** اور الفاظ لازم و ملزوم ہیں مگر چھوٹے بچوں کو اصطلاحی الفاظ تبانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اُن کو سمجھ نہیں سکیں گے۔

حواس کی **تربیت کامل** اُس وقت سمجھنی چاہیئے۔ جبکہ خواص اشیار کا اثر دل پر تیز اور گہرا ہو۔ اور بچے ذرا ذرا سا فرق بھی بآسانی معلوم کر سکیں۔ مثلاً **قوت باصرہ** کی ترقی اُس وقت کامل سمجھی جائے گی جب وہ مختلف رنگوں کے تھوڑے تھوڑے فرق کو بھی آسانی کے ساتھ دیکھ سکے۔ اسی طرح **قوت شامہ** کی ترقی کامل یہ ہے کہ بُو کے تھوڑے تھوڑے فرق کو بھی آسانی کے ساتھ معلوم کر سکے۔ یہ تربیت اشیار کے سبقوں سے بخوبی ہوتی ہے۔ کیونکہ اِن سبقوں میں حواس خمسہ سے برابر کام لینا پڑتا ہے۔

۳۵ - توجہ اور اُس کی عظمت پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تربیت حواس کے لئے اشیار کا دیکھنا بھالنا ضروری ہے۔ مگر اشیار کے خواص بغیر توجہ کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے بچے میں توجہ کی عادت کا پیدا کرنا ضرور ہے۔

توجہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے ہم بالارادہ اپنے نفس کو کسی چیز پر لگاتے ہیں۔ توجہ کی دو قسمیں ہیں ✦

(۱) **غیر ارادی توجہ**۔ جو خود بخود بلا ارادہ کسی چیز کی طرف لگ جاتی ہے۔

(۲) **ارادی توجہ**۔ یعنی نفس کو بالارادہ کسی چیز کی طرف لگایا جائے۔ غیر ارادی توجہ چھوٹے بچّوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو چیز نہایت چمکدار یا خاص کر نہایت دلکش ہوتی ہے۔ اس کی طرف بچّوں کی توجہ آپ سے آپ مائل ہو جاتی ہے مثلاً چاند کی طرف بچّے بڑی خوشی سے دیکھتے ہیں۔ مگر اِس توجہ کا کچھُ اعتبار نہیں ہے۔ جدھر لگ گئی اُدھر لگ گئی۔ اِس لِئے یہاں ہم کو اِس توجہ سے کچھُ سروکار نہیں ہے بلکہ ہماری غرض بالارادہ توجہ سے ہے۔ کہ جس طرف چاہیں لگا سکیں۔ یہی توجہ بچّے میں پیدا کرنی چاہیئے۔ جو اُس میں موجود نہیں ہوتی ✦

توجہ تعلیم و تربیت میں بھی نہایت ہی ضروری ہے ✦

(۱) جب تک توجہ نہ کی جائے نفس کی کسی قوت کا عمل پورا پورا نہیں ہو سکتا۔ خواہ قوتِ حافظہ ہو خواہ قوتِ عقل وغیرہ ✦

(۲) ہر ایک کام میں دل لگا کر غور و خوض کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ اور علم کی بُنیاد مُستحکم رکھی جاتی ہے ✦

(۳) توجہ کے بغیر قدرتی ذکاوت اور ذہانت سے بھی چنداں مطلب برآری نہیں ہوتی۔ ذہین مگر بے توجہ بچّے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے ✦

(۴) اگر معلم اپنے شاگردوں میں توجہ پیدا نہ کر سکے تو اُس کا طریقہ تعلیم و تربیت ناقص سمجھنا چاہیئے۔ اور اُس کی تعلیم و تربیت بالکل ہیچ ہے +

۳۶۔ تربیت توجہ کے وسائل توجہ کی عادت قائم کرنے کے لیئے ذیل کے وسائل استعمال کرنے چاہیئیں +

(۱) **کافی وقت**۔ توجہ ایک قسم کی عادت ہے۔ اور آہستہ آہستہ پیدا ہوا کرتی ہے۔ اِس کے تربیت کرنے میں معلم کو جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ پُورا پُورا وقت دینا چاہیئے۔ ایک وقت میں ایک ہی بات پیش کرنی چاہیئے۔ تاکہ طلبہ اُکتا نہ جائیں +

(۲) **صفائی بیان**۔ توجہ کے قائم رکھنے کے لِئے یہ بھی ضروری وسائل میں سے ہے۔ جن باتوں پر طلبہ کو توجہ دلانا ہو ضرور ہے کہ نہایت صاف اور واضح طور پر اُن کی تشریح کی جائے۔ ورنہ طلبہ کی توجہ حاصل نہیں ہو سکتی +

(۳) **مناسب محرکات**۔ توجہ جبر۔ دباؤ اور دھمکی سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اِس لِئے ضرور ہے کہ مناسب محرکات کا استعمال کیا جائے۔ مثلاً

(الف) **علم کا شوق**۔ یہ قوت کم و بیش ہر شخص میں موجود ہے۔ اِس کو ترقی دینے کے لِئے ضرور ہے اُستاد کی تقریر دلچسپ ہو۔ اُس کا طرزِ بیان ایسا ہونا چاہیئے۔ جو بچّوں کی استعداد سے باہر نہ ہو جسے وہ آسانی سے سمجھ سکیں کبھی کبھی تعجب خیز کلمات کا استعمال کرنا اور تصویروں

نقشوں وغیرہ سے کام لینا بھی شوق دلانے کے لئے مفید ہے۔

(ب) **کام کرنے کا شوق**۔ اُستاد کو صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کرنی چاہیئے کہ طالب علم تعلیم کے وقت چپ چاپ بیٹھے سُنا کریں۔ بلکہ اُن کے دل کو مضمون تعلیم پر لگانا چاہیئے۔ طلبہ کے ہاتھ سے شکلیں وغیرہ بنوانا مفید مشقیں ہیں +

(ج) **ہمدردی**۔ اُستاد کو چاہیئے کہ طلبہ کا مونس و ہمدرد رہے۔ محبت اور مہربانی سے اُن کو اپنی طرف مائل کرے اور ذوق و شوق کے ساتھ اُن کی تعلیم میں مصروف ہو۔ طلبہ کو متوجہ کرنے کی یہ بہت عمدہ ترکیب ہے۔

(د) **دباؤ**۔ اِن محرکات کے علاوہ تھوڑا بہت دباؤ سے کام لینے کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ مگر زیادہ دباؤ ڈالنا بڑی غلطی ہے +

(۴) **جسمانی اسباب**۔ جو توجہ میں مخل ہیں ان کو رفع کرنا چاہیئے (دیکھو دفعہ ۳۸ نمبر ۵)

۳۷۔ اچھی توجہ کے خواص اچھی توجہ میں یہ تین وصف پائے جانے چاہئیں:۔

(۱) **استحکام**۔ یعنی نفس کو سب طرف سے ہٹا کر کسی شے پر ہمہ تن توجہ کی جائے اور سوائے اُس شے کے کسی دوسری شے کا بالکل خیال نہ ہو۔ توجہ کے وقت اگر طبیعت ڈاواں

ڈول رہے۔ تو اُس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

(۲) **استقلال**۔ یعنی نفس کو متواتر توجہ دینے کی عادت ڈالی جائے۔ بعض پیچیدہ اور مشکل باتوں میں ہم کو گھنٹوں سوچنا پڑتا ہے۔ اگر ہماری توجہ میں استقلال نہ ہوا تو ہم کبھی اُن مشکلات کو حل نہیں کر سکیں گے۔

(۳) **قابلیت تبدیل**۔ یعنی جب چاہیں توجہ کے مضمون کو آسانی کے ساتھ تبدیل کر سکیں۔ جس وقت ایک بات پر توجہ کرتے کرتے دوسری پر توجہ کرنی چاہیں تو بھی توجہ اسی قدر زور کے ساتھ ہو۔

۳۸۔ موانع توجہ توجہ کا طلبہ میں پیدا کرنا تعلیم و تربیت کا ایک بڑا مقصد ہے۔ یہ عادت بچوں میں نہیں ہوا کرتی معلم کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بے توجہی طلبہ ہی کا قصور ہے یہ خیال بہت سی غلطیوں کا باعث ہوگا۔ معلم کا فرض ہے کہ اُن اسباب سے واقفیت حاصل کرے جو بے توجہی کا باعث ہوں۔ یہ اسباب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) **جسمانی کمزوری**۔ بعض بچے اپنی کمزوری کی وجہ سے توجہ نہیں کر سکتے ایسی حالت میں نرمی سے کام لینا چاہیئے۔ اور زیادہ توجہ نہیں کرانی چاہیئے۔

(۲) **بزدلی**۔ بعض کم استعداد بچے طبعاً ڈرپوک ہوتے ہیں۔ یہ بھی بے توجہی کا باعث ہے۔ اُن کے دل میں یہ خیال سما جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے مانند کبھی کامیابی

حاصل نہیں کرسکتے ۔ اِس کا علاج بھی یہی ہے کہ معلم نرمی برتے اور ایسے طلبہ کا دل بڑھائے ۔ ورنہ بے توجہی کی عادت مُستحکم ہو جائے گی ٭

(۳) **زندہ دلی** ۔ بعض مستعد طالب علم اپنی ہوشیاری کی وجہ سے توجہ نہیں کیا کرتے ان کو خیال ہو جاتا ہے کہ ہم تو ہوشیار اور سمجھ دار ہیں ۔ ہم کو توجہ کی کیا ضرورت ہے ۔ ایسے طلبہ سے باریک اور مشکل سوال پوچھنے چاہئیں تاکہ اُن کو سوچنے کی عادت پڑے اور حسب ضرورت چشم نمائی بھی کرنی چاہیئے ٭

(۴) **طبیعت کی کاہلی** ۔ کاہل طبیعت والے طلبہ کو متوجہ کرنے کے لِئے بھی وہی تدبیر اختیار کرنی چاہیئے ۔ جو ڈرپوک طلبہ کے لِئے بیان کی گئی ہے ۔ یعنی نرمی اختیار کرنا ۔ اور دل بڑھانا ۔ اس کے سوا اس بات کے پتہ لگانے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اُن کو کس خاص شے کی طرف رغبت ہے ۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی شے کی طرف میلان ہوتا ہے ۔ ایک قسم کے سبق پر دِل نہ لگے تو دوسری قسم کے سبق پر ضرور لگے گا ۔ اگر عقلی کام سے دل اُچاٹ ہوا تو عملی کام ہی میں دِل لگے گا ۔ اگر مطالعہ سے کسی کو قطعی نفرت ہو تو کسی نہ کسی قسم کی تفریح طبع ہی کا شوق ہوگا ۔ غرض ہر ایک کی طبیعت کا رُجحان دریافت کرکے اُسی کے موافق وسایل اختیار کرنے چاہئیں ۔ کسی

طالب علم کی نسبت پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لینا کہ اُس کی طبیعت اور خصلت کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ بڑی غلطی ہے۔ اِس سے اُس کی رہی سہی ہمّت بھی ٹوٹ جاتی ہے اور پھر اُس سے کوئی توقع نہیں کی جاسکتی +

(۵) **بعض جسمانی اسباب**۔ مثلاً طلبہ کا دیر تک ایک ہی نشست پر بیٹھے رہنا یا ایک ہی کام کئے جانا۔ مکان مدرسہ میں آرام نہ ہونا۔ روشنی ہوا۔ حرارت کا مُناسب انتظام نہ ہونا وغیرہ اسباب بھی توجہ میں مخل ہوتے ہیں۔ اُن کو رفع کرنا چاہیئے۔ ایسی صورتوں میں لایق سے لایق معلم بھی طلبہ کی توجہ کو بخوبی قائم نہیں رکھ سکے گا +

فصل سوم۔ قوتِ حافظہ

۳۹۔ حافظہ کی تعریف پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حافظہ وہ قوت ہے جس سے علم حاصل کردہ بحفاظت نفس میں جمع رہتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔ اِس تعریف سے ظاہر ہے کہ **حافظہ میں دو قوتیں شامل ہیں** +

(۱) **قوت تحفظ**۔ یہ علم حاصل کردہ کی حفاظت کرتی اور اُس کو جمع رکھتی ہے +

(۲) **قوت استحضار**۔ یہ اُس علم کو ضرورت کے وقت حاضر کر دیتی ہے۔ اِس قوت کے بغیر قوتِ تحفظ کچھ کام نہیں

دے سکتی۔ اگر علم حاصل کردہ نفس میں جمع بھی رہا اور وقتِ ضرورت وہ بات ہمارے دل ہی دل میں پھرتی رہ گئی۔ اور ہم سوچتے کے سوچتے ہی رہ گئے۔ تو کیا فائدہ؟ ایسا علم نہ ہم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ نہ دوسروں کو +

۴۰۔ حافظہ کی ضرورت اگر قوت حافظہ موجود نہ ہوتی تو ہم کچھ بھی ترقی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ جب تک اشیائے خارجیہ ہمارے سامنے موجود رہتیں۔ اسی وقت تک نفس کو اُن کا علم رہتا۔ اور اُن کی نظر سے غائب ہوتے ہی اُن کا علم بھی صفحہ دِل سے محو ہو جاتا۔ پس اِس صُورت میں علم کا حاصل کرنا۔ محض بے کار اور غیر ضروری ہوتا۔ کیونکہ ہر شے ہمارے نزدیک نئی ہوتی۔ گو کتنی ہی مرتبہ ہم نے اُن کا مشاہدہ کیا ہوتا۔ غرض اِس قوت کی عدم موجودگی سے نہ تو قوت مُدرکہ کار آمد ہوتی ہے۔ نہ قوت متخیلہ اپنا عمل کرتی۔ اور نہ قوت عقل کسی شے پر حکم لگا کر نتائج نکال سکتی +

۴۱۔ حافظہ کی تربیت قوت حافظہ کی ترقی بھی مثل دیگر قوٰی کے مشق پر منحصر ہے۔ حافظہ کی دو بڑی قسمیں ہو سکتی ہیں +

(۱)۔ الفاظ یا عبارت کا حفظ کرنا۔ (۲) مضامین یا مطالب کا حفظ کرنا۔

معلم کا کام زیادہ تر دوسری قسم کے حافظہ کو ترقی دینا

ہے۔ ہمارے ملک کے معلم عموماً اِس قوت کی تربیت کے اُصول سے بالکل غافل ہیں۔ وہ قوت حافظہ کی ترقی اِسی بات میں سمجھتے ہیں۔ کہ بچّے مختلف باتیں لفظ بلفظ بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح یاد کرلیں اور اُن کو زبردستی دماغ میں ٹھونس کر بھر لیں۔ اِس سے قوت حافظہ کی ترقی تو درکنار دماغ ضعیف ہوکر ہمیشہ کے واسطے بیکار ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض موقعوں پر عبارت کا لفظ بلفظ یاد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً افعال وغیرہ کی گردانیں۔ حساب کے پہاڑے اور قاعدے۔ گریمر کی تعریفیں۔ اخلاقی نصائح وغیرہ مگر ایسی صورت میں بھی ضرور ہے کہ پہلے اُن کا مطلب بذریعہ تشریح و توضیح کے ذہن نشین کر دیا جائے۔ اِس قسم کے چیزوں کو ۶ سال سے لیکر ۱۲ سال کی عمر تک یاد کرانا چاہئے اِس قوت کی تربیت کے لیئے اُمور مندرجہ ذیل کا مد نظر رکھنا ضروری ہے:

(۱) **توجہ کی عادت**۔ توجہ کے بغیر کوئی بات یاد نہیں ہو سکتی۔ جس قدر زیادہ کسی بات پر توجہ دیجاتی ہے۔ اُسی قدر استحکام کے ساتھ وہ یاد رہتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ معلم اوّل طلبہ میں توجہ کی عادت پیدا کرائے اور وہ وسائل اختیار کرے جن سے یہ عادت پیدا ہوتی ہے مثلاً تقریر کا دل چسپ ہونا۔ محبّت و مہربانی و ہمدردی سے برتاؤ کرنا۔ مضمون تعلیم کا طلبہ کی سمجھ کے موافق

ہونا۔ ایک ہی وقت میں بہت سی باتیں نہ بتانا۔ وغیرہ

(۲) **انتخاب مضمون** ۔ کسی بات کا حفظ کرنے کے لیئے بڑی اور چھوٹی باتوں میں تمیز کرنی لازم ہے۔ بڑی اور مشکل باتوں پر خاص کر توجہ کرنی چاہیئے۔ چھوٹی باتوں پر چنداں توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بڑی باتوں میں بھی جو باتیں زیادہ تر ضروری ہیں اُن کا بھی انتخاب کرلینا ضروری ہے۔

(۳) **تقسیم و ترتیب مضمون** ۔ جس بات کا حفظ کرنا منظور ہے اُس کے خیالات کی ترتیب منطقی ہونی چاہیئے جو مضمون ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے وہ جلد سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور خوب یاد ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے پیچیدہ بیانات کی تشریح اور طویل بیانات کا اختصار کرنا چاہیئے تاکہ وہ بخوبی سمجھ میں آجائیں۔

(۴) **کافی وقت اور تکرار** ۔ تکرار اور اعادہ سے حافظہ کو بہت مدد ملتی ہے۔ کوئی بات فوراً ذہن نشین نہیں ہوسکتی اس لئے ضرور ہے کہ حفظ کرنے کے لیئے کافی وقت بھی دیا جائے۔ اور ایک بات کو بار بار دُہرایا جائے اور خوب مشق کرائی جائے۔

۴۲ - تسلسل خیالات اس سے مُراد ہے خیالات کا باہم اس طرح وابستہ ہونا کہ جب ایک خیال یاد آئے تو ساتھ ہی دوسرے خیالات بھی یاد آجائیں۔ تسلسل خیالات سے قوت حافظہ کو

خاص کر مدد ملتی ہے - کیونکہ نفس کو ہر ایک بات فرداً فرداً یاد رکھنے کے لیئے دقت نہیں اُٹھانی پڑتی - ایک بات کے لگاؤ سے باقی باتیں آپ سے آپ یاد رہتی ہیں - مثلاً فرض کرو کہ کسی مکان میں کوئی عجیب و غریب تماشا دیکھا ہو - اب جب اُس مکان کا ذکر ہوگا - یا ہم اُس کے پاس سے گذریں گے تو ہم کو تمام واقعات جو وہاں پیش آئے تھے یاد آجائیں گے - اِس لیئے نفس کو اس قسم کی عادت ہونی چاہیئے

۴۲ - اچھے حافظہ کے خواص اگر قوت حافظہ کی جیسی کہ چاہیئے تربیت کی جائے تو اِس میں حسب ذیل خواص ضرور پائے جائیں گے +

(۱) **سہولت** - یعنی جن باتوں کو یاد کرنا ہے وہ جلد اور آسانی سے یاد ہو جائیں - جس قدر جلد کوئی بات حافظہ میں سما جائے بہتر ہے

(۲) **امانت** - یعنی جو بات یاد کی ہوئی ہے اس میں نہ تو سہو کی وجہ سے کچھ کمی ہو جائے - اور نہ تصور سے کچھ زیادتی - ہر بات بے کم و کاست اور جوں کی توں دماغ میں موجود رہے +

(۳) **وفا و استحکام** - یعنی علم حاصل کردہ ہمیشہ دل میں قایم رہے - اور امتداد زمانہ سے کوئی بات صفحۂ دل سے محو نہ ہو جائے +

(۴) **مستعدی** - یعنی کسی یاد کی ہوئی بات کی جب ضرورت آپڑے تو حافظہ فوراً اُس کو ذہن میں سامنے لاکر حاضر کر دے +

فصل چہارم۔ قوتِ متخیلہ

۴۴۔ متخیلہ کی تعریف ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ متخیلہ وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے نفس معلومات حاصل کردہ کو نئی ترتیب دیکر اُسی قسم کی یا بالکل نئی صورتیں پیدا کر لیتا ہے۔ اِن معلومات حاصل کردہ کو **تخیلات** یا **تصورات** بھی کہتے ہیں۔ اِس قوت کے فعل کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ **ایک** یہ کہ معلومات کو اِس طور پر ترتیب دیا جائے جس کا وجود خارج میں واقعی طور پر ہو۔ مثلاً فرض کرو کہ ہم نے پہاڑ دیکھا ہے اور برف بھی دیکھی ہے مگر ایسا پہاڑ نہیں دیکھا جس کی چوٹیوں پر برف جمی ہوئی ہو۔ تو اب ہماری قوت متخیلہ دونوں چیزوں کو جمع کر کے **برفانی پہاڑ** کا تصور کر سکتی ہے۔ کیونکہ اِس کے اجزا پہاڑ اور برف ہم نے دیکھ رکھے ہیں۔ **دوسرے** یہ کہ معلومات کی ترتیب ایسی ہو جن کا واقعی طور پر خارج میں کوئی وجود نہو۔ مثلاً **دیو۔ بھُوت۔ پریت** وغیرہ کی تصویریں۔ پس۔ **تصوّر** (یا تخیل) کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) **تصوّر سادہ**۔ جو معلومات حاصل کردہ کو ترتیب دیکر ایسی صورتیں بنا لیتا ہے جن کا واقع میں وجود ہے +

(۲) **تصوّر خلّاق**۔ جو معلومات حاصل کردہ سے ایسی صورتیں بناتا ہے جن کا واقع میں وجود نہیں ہوتا +

۴۵۔ متخیلہ کی تربیت اِس قوت کی تربیت میں صرف پہلی قسم

(تصور سادہ)، کی تربیت کا ذکر کیا جائے گا۔ دوسری قسم (تصور خلاق) کی تربیت کا مدرسہ سے تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ مدرسہ میں شاعری۔ افسانہ نگاری وغیرہ مضامین کی تعلیم نہیں ہوتی۔ جن کے لئے متخیلہ کی دوسری قسم کی تربیت درکار ہے۔ بچے کی طبیعت میں اوّل اوّل قوت متخیلہ بہت پُر زور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہانیاں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سُنتا ہے۔ قصّہ کے تصور سے اُس کو بڑا لطف آتا ہے وہمی صورتوں سے بہت ڈرا کرتا ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں سے خوش یا آزردہ ہو جاتا ہے۔ اب ہم اِس قوت کی تربیت کا طریقہ بتاتے ہیں +

بچوں کی قوت متخیلہ کو ترقی دینے کے لِئے دو وسائل ہیں:-

اوّل۔ زبان۔ دوم تصاویر

اوّل زبان۔ اِس میں دو باتیں شامل ہیں:-

(الف) **زبانی گفتگو**۔ جب معلم طلبہ کے سامنے کسی واقعہ وغیرہ کا حال بیان کرے تو ضرور ہے کہ اُس کی گفتگو سلیس اور طلبہ کی استعداد کے موافق ہو۔ اُس کے بیان کا سلسلہ ایسا صاف اور دل چسپ ہو کہ جو بات سمجھانی ہے اُس کی تصوّر طلبہ کے خیال میں آ جائے۔ اور بڑی بڑی باتیں اُن کے دِل میں جم جائیں۔ تمثیل ایسی چیزوں کے ساتھ دینی چاہیئے۔ جن کو طلبہ سمجھتے ہوں۔ اگر اِن امور کا لحاظ نہ کیا گیا۔ تو اُن کی قوت متخیلہ کا عمل باطل ہو جائے گا۔

(ب) **زباں دانی کی کتابیں**۔ درسی کتابوں میں جو واقعات

واقعات درج ہوں وہ بالکل صحیح ہوں۔ اُن میں تاریخی واقعات سیر و سفر کے حالات۔ حیوانات کے دِل چسپ بیانات۔ قدرتی مناظر۔ مشہور لوگوں کے سوانح۔ اخلاقی نصائح وغیرہ درج ہونی چاہئیں۔ یہ مضامین اور اُن کی عبارتیں جماعتوں کی استعداد کے موافق مشکل یا آسان ہونی چاہئیں +

دوم تصاویر۔ تصویروں کے دیکھنے سے بھی قوت متخیلہ کی تربیت ہوتی ہے۔ اِن کو بچّے بڑی خوشی کے ساتھ دیکھتے ہَیں۔ اِس لئے ضرور ہَے کہ درسی کتابوں میں جن حیوانات۔ مقامات۔ اشخاص وغیرہ کا تذکرہ ہو اُن کی تصویریں بھی اُن میں درج کی جائیں۔ بچّوں کے لئے تصویریں سیدھی سادی ہونی چاہئیں۔ یہ ضرور نہیں کہ فن مُصوّری کا کمال اُن میں پُورا پُورا ظاہر کیا جائے۔

۴۶۔ قوت متخیلہ کے فوائد اِس قوت کی تربیت باقاعدہ طور پر کی جائے تو اُس سے کئی فائدے ہَیں۔ مثلاً

(۱)۔ **تربیت عقلی** میں قوت متخیلہ بہت کار آمد ہَے۔ دنیا کے مختلف ملکوں۔ شہروں۔ باشندوں وغیرہ کا علم جن کو ہم نے بچشم خود نہیں دیکھا۔ اِسی قوت کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ دُنیا کے مشہور و معروف لوگوں نے مختلف علوم و فنون میں جو طرح طرح کی علمی تحقیقاتیں اور جدید اختراعات کئے ہیں وہ سب اُن کے غور و خوض کا نتیجہ ہے یا یوں کہو کہ اُن کی قوت متخیلہ نہایت اعلےٰ درجہ کی تربیت یافتہ تھی۔ الغرض

اسی قوت کی بدولت انسان مشاہدہ کی حد سے نکلکر اُن باتوں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ جو مشاہدہ کی حد سے باہر ہیں +

(۲) یہ قوت تربیت اخلاقی میں بھی کار آمد ہے۔ جب بچے شروع ہی سے عمدہ خیالات اور اخلاقی مضامین پڑھیں گے تو اُن کو اِس قسم کی باتوں میں حظ اور دل چسپی لینے کی عادت پیدا ہو جائے گی۔ مختلف آدمیوں کی سوانح عمری پڑھنے سے اُن کے دل میں فضائل اخلاق خوب مستحکم ہو جائیں گے۔ جیسا کہا گیا ہے "قصص الاولین مواعظ الآخرین" یعنی اگلے لوگوں کے قصے پڑھنے اور سُننے سے پچھلوں کو نصیحت اور عبرت حاصل ہوتی ہے +

(۳) اس سے ہماری خوشیاں بڑھتی ہیں۔ معمولی چیزوں اور روز مرّہ کی باتوں میں بھی طبیعت کو بہُت حظ آنے لگتا ہے۔ اگر کوئی رنج یا صدمہ پیش آئیگا تو جلد جاتا رہے گا۔ کیونکہ تفریح طبع کے بہُت سے سامان ہمارے پاس موجود ہوں گے۔ بر عکس اِس کے جس شخص کی قوت متخیلہ کی تربیت اچھی طرح نہیں ہوئی۔ وہ اُسی غم میں عرصۂ دراز تک غلطاں پیچاں رہیگا۔ کیونکہ اپنا غم غلط کرنے کا کوئی وسیلہ اِس کے پاس نہ ہوگا +

اگرچہ اِس قوت کی تربیت سے بڑے بڑے فائدے ہیں۔ لیکن اگر تربیت باقاعدہ طور پر نہ ہو یا حد سے زیادہ اِس قوت کو ترقی دی جائے تو اِس سے طرح طرح کے نقصان متصور ہیں مثلاً

(۱) آدمی وہمی اور سودائی سا بن جاتا ہے۔ ہر دم کسی خیال میں غلطاں پیچاں رہتا ہے کسی کام پر اُس کا دِل نہیں جمتا۔ غرض آدمی بالکل نکما ہو جاتا ہے +

(۲) ذرا ذرا سی تکلیفوں کو بڑھا کر پہاڑ بنا لیتا ہے۔ اور ہمیشہ اِن سے دق اور پریشان رہتا ہے +

(۳) تعصبات اور توہمات میں گرفتار رہنے کی وجہ سے طبیعت بدی کی طرف بھی مائل ہو جاتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جِن طالب علموں میں قوت متخیلہ بہت بڑھ گئی ہو اُن کو معلم کسی نہ کسی کام بالخصوص کھیل کود میں لگائے رکھے اور ایسا سامان بہم پہنچائے جس سے اُن کی عقل کو ترقی اور استحکام ہو۔ اس طرح اُن کا تصوّر حد اعتدال پر آ جائے گا +

فصل پنجم۔ قوت عقل

۷۴۔ عقل کی تعریف اور عظمت عقل کی تعریف میں یہ بات مُجملاً معلوم ہو چکی ہے کہ اِس قوت کے ذریعے سے نفس معلومات پر احکام لگاتا اور نا معلوم نتائج نکالتا ہے۔ اِس میں دو قوتیں شامل ہیں۔ ایک وہ جس کے ذریعے سے ہم احکام لگاتے ہیں۔ اور دوسری وہ جس کے ذریعے سے ہم نتائج نکالتے ہیں۔ پہلی کو قوت فیصلہ اور دوسری کو قوت اُستدلال کہتے ہیں۔ اِن کا حال بعد میں بیان کیا جائے گا۔

اب جاننا چاہیئے کہ عقل ہی کی بدولت انسان مختلف اُمور کی نسبت رائے لگانے کی قابلیت حاصل کرتا ہے۔ اِسی کی بدولت نیکی اور بدی میں تمیز کرتا ہے۔ اِسی کی بدولت اُس کی خصایل و عادات دُرست ہوتی ہیں۔ جو کچھ ترقی آج تک انسان نے کی ہے۔ وُہ سب عقل ہی کا نتیجہ ہے۔ یہی قوت انسان وحیوان میں فصل اور ما بہ الفارق ہے۔ یعنی دونوں میں اسی سے تمیز ہوتی ہے۔ غرض جیساکہ ہم پہلے بتا چُکے ہیں۔ عقل ہی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے ✦

۴۸۔ قوت فیصلہ اور اُس کا عمل قوتِ فیصلہ وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے نفس دو یا زیادہ تخیلات کا باہم مقابلہ کرکے احکام لگاتا ہے۔ یہ عقل کی ابتدائی صُورت ہے۔ اب ہم بتائیں گے کہ یہ عقلی عمل ذہن میں کیونکر ہوتا ہے۔ اِس قوت کا عمل قوت مدرکہ کے عمل کے بعد ہوتا ہے۔ یعنی یہ ضرور ہے کہ نفس میں پہلے سے کچھ معلومات موجود ہوں جو بذریعے الفاظ ظہور پاتے ہیں۔ جب عقل ان تخیلات کا باہم مُقابلہ کرتی ہے تو اُس سے نفس میں احکام پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا اظہار بذریعے جملوں کے ہوتا ہے۔ مثلاً "سونا بھاری ہے"۔ "چھت اونچی نہیں ہے"۔ صورت اوّل میں دو تخیلات "سونا" اور "بُھاری پن" کا مقابلہ کرکے نفس نے اُن پر حُکم اثبات لگایا اور اُس کا اظہار اِس جُملہ میں ہوا کہ "سونا بھاری ہے" اِسی طرح صورت دوم میں دو تخیلات "چھت" اور "اُونچے پن" کا

مقابلہ کرکے نفس نے اُن پر حُکم سلب لگایا۔ اور اُس کا اظہار اِس جُملہ میں ہُوا کہ "چھت اونچی نہیں ہے" اِس بیان سے ظاہر ہے کہ جب تک خیالات کو مُناسب الفاظ میں ظاہر نہ کیا جائے اور الفاظ کے صحیح معنے نہ لئے جائیں۔ عقل دُرست احکام نہیں لگا سکتی۔ اور غلطیاں کرنے اور شُبہات میں پڑنے سے باز نہیں رہ سکتی ❖

۴۹۔ تعریف۔ کسی شے کے ضروری خواص کو جمع کرکے اُس کے ساتھ بیان کرنا۔ اور اُس کا ایک نام مقرر کرنا اُس شے کی **تعریف** کہلاتا ہے۔ تعریف بھی قوت فیصلہ ہی کے ذریعے سے بتائی جاتی ہے۔ مثلاً انسان کی تعریف میں جب ہم کہتے ہیں کہ "انسان حیوان ناطق ہے"۔ تو پہلے ہم تمام حیوانات کے گروہ کا مشاہدہ اور اِس کو اُن کی جنس میں داخل کرکے اُن کے ضروری خواص دریافت کرتے ہیں پھر گروہ انسان کا مشاہدہ کرکے اس کے ضروری خواص معلوم کرتے ہیں۔ اب حیوان و انسان کے خواص کا باہم مقابلہ کرکے یہ بات دیکھتے ہیں۔ کہ عقل و نطق ہی ایسا خاصہ ہے جو حیوانات میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ باقی تمام خواص مثلاً۔ چلنا۔ پھرنا۔ اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ دُکھ سُکھ محسوس کرنا وغیرہ دونو میں مُشترک ہیں۔ اِن سب باتوں کے بعد ہم یہ حُکم لگاتے ہیں کہ "انسان حیوان ناطق ہے"۔ اِسے اِنسان کی تعریف کہتے ہیں۔ بیان مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ **تعریف**

دو عملوں کا مجموعہ ہے +

(۱) تجرید۔ یعنی کسی شے کے ضروری خواص یا اجزار کا مشاہدہ کرکے اُن کو اِس شے سے علیحدہ کرنا۔ اور ہر ایک کا جُدا نام مقرر کرنا +

(۲) تعمیم یعنی جن اشیار میں وہ ضروری خواص مشترک پائے جاتے ہیں اِن سب کو ایک نام دینا مثلاً میز۔ درخت۔ پرندہ۔ اِسی بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ تعریفات کے لئے **مقابلہ** بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دو یا زیادہ تخیلات کے باہمی مُقابلہ ہی سے نفس احکام لگا سکتا ہے۔

۵۰۔ قوت فیصلہ کی تربیت اِس قوت کی تربیت میں مفصلہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا لازم ہے :-

(۱) معلومات **کافی** اور **صحیح** ہوں۔ کیونکہ نفس معلومات ہی پر احکام لگاتا ہے۔ اگر معلومات کا ذخیرہ کم ہوا تو نفس احکام نہیں لگا سکے گا۔ اور اگر معلومات غلط ہوئے تو ظاہر ہے کہ احکام بھی جو معلومات پر مُبنی ہیں غلط ہوں گے +

(۲) اشیار کا مُشاہدہ اور مُقابلہ ٹھیک ہو۔ ورنہ حکم غلط ہوگا۔ اِس لئے مُعلم کو اشیار کے سبقوں میں اِس قوت کو خوب ترقی دینی چاہئے۔ یہ ترقی طلبہ کی استعداد کے موافق بتدریج ہونی چاہئے۔ احکام لگانے سے پہلے اشیار کے مُشاہدہ اور مُقابلہ کی قابلیت پیدا کرنی ضرور ہے۔ مقابلہ اولاً اشیار کی **کمیت** کا ہونا چاہئے۔ جیسے جسامت۔ تعداد

وزن - پھر خواص مثلاً رنگ - صورت وغیرہ کو لینا چاہیئے - اِس کے بعد اشیار کے استعمال اور فائدوں سے واقفیت پیدا کرانی چاہیئے *

(۳) مشاہدہ اور مقابلہ کرنے اور احکام لگانے میں طلبہ کی عقل پر زور ڈالنا چاہیئے - معلم صرف رہنمائی کرتا رہے - اِس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے جس قدر اشیار بہم پہنچ سکیں - طلبہ کو اُن سے واقفیت کرانی چاہیئے - اور معلم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ طلبار اشیار کا مُشاہدہ صحت اور درستی کے ساتھ کر سکیں اور سُرعت کے ساتھ اُن کا مُقابلہ کرکے فوراً حُکم لگا سکیں *

۵۱ - قوت استدلال اور اُس کی قِسمیں

استدلال کے لفظی معنے ہیں دلیل لانا - مگر اصطلاح میں اُس قوت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے نفس دو یا زیادہ احکام کا باہم مقابلہ کرکے نتائج نکالتا ہے - اِس تعریف سے ظاہر ہے کہ اِس قوت کے عمل سے پہلے قوت فیصلہ کا عمل ہونا لازم ہے - کیونکہ جب تک احکام نہ ہوں قوت استدلال اپنا کچھ عمل نہیں کر سکتی - اور جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے - احکام لگانا قوت فیصلہ کا فعل ہے - پس استدلال عقل کی اعلیٰ قسم ہے - اور اِس کا عمل سب سے پیچھے ہوتا ہے مثلاً فرض کرو کہ یہ دو احکام کہ "الف = ب" اور "ب = ج" ہمارے نفس میں موجود ہیں - ان کا مقابلہ کرکے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ "الف = ج"

استدلال کی دو قسمیں ہیں - استقرار - استخراج *

(۱) **استقرار** - یہ وہ طریق استدلال ہے جس میں ہم بہت سے خاص افراد کے مشاہدہ سے عام قاعدہ یا نتیجہ نکالتے ہیں۔ جو اُس قسم کے کُل افراد پر حاوی ہو۔ اِس صورت میں ہم خاص سے عام کی طرف جاتے ہیں۔ مثلاً زید۔ عمر۔ بکر وغیرہ چند افراد انسان کو ہم نے مرتے ہوئے دیکھا۔ اور اُس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ "تمام انسان فانی ہیں" اِسے **استقرار** کہتے ہیں۔

(۲) **استخراج** - یہ وُہ طریق استدلال ہے جس میں ہم۔ عام قاعدہ یا نتیجہ کو (جو ہم نے استقرار کے ذریعے سے نکالا ہے) خاص افراد پر عاید کرتے ہیں۔ اِس صورت میں ہم عام سے خاص کی طرف جاتے ہیں۔ مثلاً ہم نے استقرار کے ذریعے سے معلوم کیا کہ "تمام انسان فانی ہیں" اور ہم کو معلوم ہے کہ "زید انسان ہے" اِس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ زید فانی ہے۔ اسے استخراج کہتے ہیں ✦

۵۲ - دلیل استقرائی کے خواص استقرار فی الحقیقت تعمیم کا تتمہ ہے۔ تعمیم کے عمل میں بھی یہی قوت (یعنی خاص مشاہدہ سے عام نتیجہ نکالنا) کام آتی ہے۔ کیونکہ تعمیم کے ذریعے سے ہم اُن افراد کو جن میں ضروری خواص مشترک ہوتے ہیں۔ ایک عام نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ✦ اچھی دلیل استقرائی میں چار وصف ہونے چاہئیں ✦

(۱) **صحت مُشاہدہ** یعنی افراد کا مُشاہدہ صحت کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نتیجہ۔ یا قاعدہ مستخرجہ جس کی بُنیاد مشاہدہ

پر ہے صحیح اور قابل اعتبار نہ ہوگا ؛

(۲) افراد کی باہمی مشابہت **خواص ضروریہ** یعنی بڑی بڑی باتوں میں دیکھنی چاہیئے عارضی اُمور کی مشابہت سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ غلط ہوا کرتا ہے ؛

(۳) **استقرار تام ہو** - یعنی تعمیم یا نتیجہ ایسا ہو کہ کل افراد پر حاوی ہو اگر ایسا نہ ہو تو اُس کو **استقرار ناقص** کہتے ہیں - جو مُفید یقین نہیں ہو سکتا ؛

(۴) **نتیجہ ماقلّ و دلّ ہو** - یعنی جو عام اُصول نکالا جائے اُس کو صاف طور پر نپے تُلے لفظوں میں مختصر اور پُر مطلب عبارت میں ادا کیا جائے ؛

۵۳ - دلیل استخراجی کے خواص **دلیل استخراجی** کا بیان منطق کی کتابوں میں درج ہوتا ہے - ہم اِس کے مُتعلّق صرف چند ہدایتیں مُجمل طور پر بیان کریں گے - مُعلّم کو لازم ہے کہ مُفصّل بیان کسی منطق کی کتاب میں دیکھ لے ؛

(۱) **دلیل کی ترتیب** اِس دلیل میں دو **مقدمات** ہوتے ہیں - اور اُن کے مُقابلہ سے ایک **نتیجہ** نکلتا ہے - مقدمات کو **کُبریٰ** اور **صُغریٰ** کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اِن دونوں میں ایک جزو مُشترک ہوتا ہے - اِس کو **حد اوسط** کہتے ہیں - اس کے گرانے سے **نتیجہ** نکل آتا ہے - مثلاً -

تمام انسان فانی ہیں (کُبریٰ)
زید انسان ہے - (صُغریٰ) } مقدمات
زید فانی ہے - نتیجہ (جو حد اوسط یعنی لفظ

"انسان" کے گرانے سے نکلا ہے، جب یہ دلیل اس طرح مرتب ہوتی ہے تو اِس کے مجموعے کو شکل کہتے ہیں۔ پس ہر شکل کے تین جزو ہوئے۔ دو مقدمات یعنی کبریٰ و صغریٰ اور ایک نتیجہ

(۲) **صحت مقدمات** چونکہ دلیل میں تمام دار و مدار مقدمات پر ہے اِس لئے ضرور ہے کہ صحیح مقدمات قایم کئے جائیں۔ غلط مقدمات ہوئے تو نتیجہ لا محالہ غلط ہوگا۔

(۳) **صحتِ نتیجہ**۔ اِس کے لئے مقدمات کا صحیح ہونا لازم ہے مگر بعض اوقات باوجود مقدمات کے صحیح ہونے کے ہم بوجہ نا تجربہ کاری کے غلط نتیجہ نکال لیتے ہیں پس ضرور ہے کہ استخراجی دلائل کی کافی مہارت پیدا کی جائے +

(۴) **مغالطے**۔ اگر مقدمات کی ترتیب سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ فی الحقیقت اُن سے نہ نکلتا ہو تو اِس کو اصطلاح میں **مغالطہ** کہتے ہیں۔ مثلاً دعویٰ اور دلیل میں یا جُزو اور کُل میں تمیز نہ کرنا۔ دور۔ تسلسل وغیرہ اِن مغالطوں سے بچنا چاہیے۔ اِن کی تشریح منطق کی کتابوں میں دیکھنی چاہیے +

۵۴۔ استقرا و استخراج کا استعمال تمام علموں کی بنیاد جو انسان نے حاصل کئے ہیں۔ استقرار اور استخراج پر ہے۔ دونو اپنے اپنے مقام پر نہایت ضروری ہیں۔ استقراء کے ذریعہ سے اُصول عامہ اور قواعد کلیہ کا استنباط کیا جاتا ہے استخراج کے ذریعہ سے ان کا استعمال خاص خاص مثالوں میں

کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونو ایک کُل کے دو جزو ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر بالکل بیکار ہے۔ عام نتائج حاصل کرنے کے لئے خاص افراد کا مشاہدہ ضرور ہے۔ اور پھر عام نتائج کو خاص افراد پر لگانے کے بغیر اُن کی صحت کا امتحان نہیں ہو سکتا *

استقرار اور استخراج کے استعمال کا طریق ہم کو قدرت سے سیکھنا چاہیئے بچہ اوّل استقراء کرتا ہے۔ اَور پھر استخراج کرنا سیکھتا ہے۔ یہی ترتیب تعلیم و تربیت میں بھی مدِ نظر رکھنی چاہیئے یعنی اوّل استقراء اور بعد میں استخراج سے کام لینا چاہیئے۔ استقرار ہمارے علم کا خاکہ یا بُنیاد قایم کرتا ہے۔ استخراج کے ذریعے سے وہ علم مرتب ہو جاتا ہے *

دلیل استخراجی معاملات پر غور یا بحث کرنے میں کار آمد ہوتی ہے ہماری روز مرّہ کی دلیلیں عموماً استخراجی ہوتی ہیں۔ کیونکہ استقرار نفس میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی سچ بولنے والے آدمی کو دیکھ کر ہم کہیں کہ "یہ اچھا آدمی ہے" تو ہمارے نفس میں ایک استقرار موجود ہے کہ "سچ بولنا اچھا ہے" *

حساب صرف و نحو اور جغرافیہ کی اصطلاحیں۔ علم طبعی کے اُصول وغیرہ دلیل استقرائی کی مشق کے لئے مُناسب مضمون ہیں۔ ترکیب نحوی۔ اور تحریر اقلیدس (علم ہندسہ) دلیل استخراجی کے عمدہ نمونے ہیں *

باب سوم

تربیت اخلاقی

فصل اوّل - تربیت اخلاقی کے مقاصد

۵۶ - تعریف اور ضرورت تربیت اخلاقی میں تاثّر اور ارادہ کے باقاعدہ طور پر تربیت کرنے سے بحث ہوتی ہے - جیساکہ پہلے تربیت کی تقسیم کے موقع پر بیان کیا گیا ہے - تہذیب اخلاق کی **عظمت** اِس طرح بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حکماء نے اِس کو جُملہ علوم و فنون پر ترجیح دی ہے - حکیم بقراطؔ کہتا ہے ''اَلْبَدَنُ الَّذِیْ لَیْسَ بِالنَّقِیِّ کُلَّمَا غَذَّ وْتَہٗ فَقَدْ زَدْ تَہٗ شَرًّا'' یعنی جو بدن اخلاط فاسدہ سے پاک نہیں ہے اُس کو جس قدر غذا دیجائے اُس میں اُسی قدر خرابی اور مادّہ مرض کی زیادتی ہوگی - یہ اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ جب تک نفس اخلاق ذمیمہ سے پاک نہوگا - علوم وفنون کی تحصیل سے اُلٹا نقصان ہوگا کیونکہ اُس سے کبر و نخوت وغیرہ عادات قبیحہ پیدا ہوں گی ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند چار پائے برو کتابی چند
(سعدیؒ)

ہر شخص کے لئے تربیت اخلاق کئی وجہ سے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً :-

(۱) انسان مدنی الطبع ہے یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ بغیر باہمی میل و جول کے اُس کا کام نہیں چل سکتا۔ ہر شخص ادنےٰ ہو یا اعلےٰ۔ غریب ہو یا امیر۔ بادشاہ ہو یا فقیر۔ اپنی روز مرّہ کی ضروریات میں ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے۔ چنانچہ یہ امر ہمیشہ ہمارے مُشاہدے میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے باہمی تعلقات اور معاشرت میں اخلاق کی نہایت ضرورت ہے +

(۲) انسان کی اصلی خوشی تہذیب اخلاق ہی پر مُنحصر ہے۔ بُہت سے آدمی ایسے دیکھنے میں آتے ہیں کہ اُن کے قوائے عقلیہ کی ترقی تو خاطر خواہ ہوتی ہے۔ مگر اخلاقی تربیت سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے اُن کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور رفتہ رفتہ بُری عادتیں اُن کے مزاج میں راسخ ہو کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو سچی خوشی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی +

(۳) خدائے تعالےٰ نے انسان کو قوائے جسمانی اور قوائے عقلی کے ساتھ قوائے اخلاقی بھی عطا کئے ہیں۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ جُملہ قوٰی کی تربیت ہمارا فرض ہے۔ پس اخلاقی تربیت سے غافل رہنا قانون قدرت کی خلاف ورزی ہے۔ جس کی سزا کبھی نہ کبھی ضرور ملے گی +

(۴) تمام تعلیم و تربیت بغیر اخلاق کے ناقص اور ناتمام ہیں
اگر ہم تعلیم و تربیت کو ایک درخت سے تشبیہ دیں تو جسم صحیح کو اُس کی جڑ۔ عقل سلیم کو اُس کے پھول اور اخلاق حسنہ کو اُس کے پھل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ غرض اسی کی بدولت انسان کمال انسانی پر پہنچتا ہے۔ اگر انسان طاقت جسمانی میں رستم زمان اور عقل میں افلاطون دوراں ہوگیا اور فضائل اخلاق سے بے بہرہ رہا تو اُس سے کیا فائدہ؟

در خاک بیلقان رسیدم بعابدے
گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن
گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ
یا ہرچہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

۵۷۔ تربیت اخلاقی کی غرض تربیت اخلاقی کا بڑا مقصد یہی ہے کہ انسان کی ملکوتی صفات نشوونما پائیں۔ یعنی وہ نیکی کو اختیار کرے۔ اور بدی سے باز رہے چونکہ اخلاقی تربیت میں تاثر اور ارادہ کی تربیت شامل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لیئے اب ہم اس باب میں ان دونو کے تربیت کا ڈھنگ بتائیں گے اور فضائل اخلاق و رذائل مزاج کے بیان کے علاوہ تربیت اخلاق کے متعلق دیگر ضروری امور پر بھی بحث کریں گے؟

فصل دوم تاثّرات

۵۸ - تاثرات اور اُن کی قسمیں قوت تاثّر کی تعریف میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اِس قوت کے ذریعے سے رنج و راحت وغیرہ کو محسوس کرتے ہیں۔ **تاثّر** کے معنے ہیں اثر کو قبول کرنا۔ پس **تاثّرات** نفس ناطقہ کی وہ کیفیتیں ہیں۔ جن سے طبیعت میں ایک قسم کا جوش یا اثر پیدا ہوتا ہے **محبت رنج۔ راحت۔ غصّہ۔ خوف۔ شرم۔ پشیمانی۔ تعجّب حیرت** وغیرہ یہ سب تاثّرات کی قسمیں ہیں +

۵۹ - تاثّرات کی عظمت ہر شخص پر تاثّرات اپنا عمل کرتے ہیں بچّوں میں بہت ہی چھوٹی عمر سے تاثّرات پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنے والدین کے پیار اور غصّے کی آواز کو سمجھتے ہیں۔ ماں باپ پیار کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں غصّے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو وہ ڈر جاتے ہیں۔ اور رونے لگتے ہیں۔ اور ایسے کاموں سے بچتے ہیں۔ جو والدین کی ناراضی کا باعث ہوں۔ اِس کا باعث یہی ہے کہ خوشی کے حاصل کرنے اور رنج و تکلیف سے بچنے کا ہر شخص کو طبعی میلان ہے کسی کام کی بُرائی بھلائی سمجھنے کی عقل بچّوں میں نہیں ہوتی۔ بلکہ جس کام سے ان کے والدین خوش ہوتے ہیں اُس کو اچھا اور جس کام سے وہ ناراض ہوتے ہیں اُسی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اِس لئے والدین کو لازم ہے کہ جب بچّہ کوئی اچھا کام کرے تو اپنی رضامندی ظاہر کریں

اور جب کوئی بُرا کام کرے تو فوراً اپنی ناراضی ظاہر کریں تاکہ وہ نیک کاموں کو اختیار کرے۔ اور بُرے کاموں سے باز رہے اکثر والدین بچپن میں اپنے بچّوں کی بیجا ناز برداری اور لاڈ پیار کرتے ہیں۔ اگر بچّے حرکات نا شائستہ کرتے ہیں۔ تو اِس خیال سے کہ ابھی تو وہ بچّے ہیں۔ اُن سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچّوں پر والدین کی رضامندی اور ناراضی کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اُستاد کو بھی ایسے بچّوں کی اصلاح میں بڑی دقّت اُٹھانی پڑتی ہے۔ غرض ابتداء میں **بچّے تاثّرات ہی کے ذریعہ سے اخلاق سیکھتے ہیں** جس کی بُنیاد اُن کے والدین کے ہاتھ میں ہے۔

۶۰۔ محرکات اور ان کا فائدہ جس طرح خوشی کے تاثّرات ہمارے دل میں کسی کام کے کرنے کی **خواہش** کرتے ہیں۔ اِسی طرح رنج و تکلیف کے تاثّرات **نفرت** پیدا کرتے ہیں۔ جب خواہش اور نفرت میں کافی زور پیدا ہو جاتا ہے۔ تو یہ **تاثرات محرکات** بن جاتے ہیں یعنی انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف مائل کرتے ہیں۔ پس **محرکات** وہ کیفیات نفسانی ہیں جو انسان کو بعض افعال کے کرنے کی تحریک یا ترغیب دیتی ہیں۔ مثلاً **کام کرنے کا شوق۔ والدین اور اُستاد کی رضامندی کا شوق۔ تقلید۔ اپنی نسبت اپنے ہم چشموں کی رائیں۔ خواہشِ سبقت۔ تعریف و ملامت۔ انعام** وغیرہ اِن کا ذکر باب انضباط میں کیا جائے گا۔

محرکات تعلیم و تربیت میں نہایت کار آمد ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اُن کے اثر سے ادنیٰ۔ اعلیٰ۔ بچہّ۔ جوان۔ بوڑھا۔ سب متأثر ہوتے ہیں۔ اور قوت ارادی کو اُن سے بڑی مدد ملتی ہے جس سے افعال سرزد ہوتے ہیں +

۶۱۔ محرکات کا استعمال دنیا میں مختلف طبائع اور مختلف اوضاع و اطوار کے لوگ دیکھے جاتے ہیں۔ یہی حال بچوں کا ہے۔ بعض بچّوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو معمولی دھمکی یا آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر سخت سزا کے باز نہیں آتے۔ اِس لِئے محرکات کے استعمال میں پوری احتیاط رکھنی۔ اور ذیل کی ہدایتوں پر عمل کرنا چاہیئے +

(۱)۔ ہر شخص کی **طبیعت** سے **واقفیت** پیدا کرنی چاہیئے۔ اِس کے بعد جس قسم کے محرک کی ضرورت ہو اُس کو استعمال کرنا چاہیئے +

(۲) ہر شخص کی طبیعت پر ہمیشہ **ایک ہی محرک موثّر نہیں ہوتا**۔ اور وقتاً فوقتاً ایک محرک کی بجائے دوسرے سے کام لینا پڑتا ہے۔ اِس لئے اُستاد کو چاہیئے کہ بچّوں کی تربیت میں حسب مقتضائے مصلحت جس محرک کی ضرورت ہو اس کا استعمال کرے +

(۳) چونکہ بچّوں کی قوت ارادی بہُت ضعیف ہوتی ہے۔ اِس لِئے اُن کی طبیعت میں خارجی **محرکات** مثلاً (تعریف انعام وغیرہ) کا **استعمال** ضروری ہے۔ تاکہ اُن کی طبیعت پر پورا پورا

کے ساتھ نظر رکھنی چاہیئے۔ ایک مرتبہ بھی کوئی نا شایستہ حرکت ظہور میں آئی تو اُس کو وہیں روک دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہی ادنےٰ ادنےٰ باتیں انجام کار عادت بن جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی بچہ ہنسی ہنسی میں جھوٹ بولنا شروع کرے۔ یا بے پروائی سے ایک منٹ مدرسہ میں دیر کرکے آئے اور اُستاد اُس کو کچھ چشم نمائی نہ کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس میں دروغ گوئی اور بے ضابطگی کی عادت مستحکم ہو جائے گی۔ برعکس اِس کے اپنے کپڑوں سے ایک دھبّہ کا چھڑانا یا اپنے پڑوسی کی مُصیبت پر ایک آنسو بہانا صفائی اور ہمدردی کی عادت کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ اِسی واسطے کہا ہے۔

سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پُر شد نشاید گزشتن بہ پیل

(۲) عادتیں بہ تدریج پیدا ہوتی ہیں۔ اِس لِئے ایک ہی وقت میں بہت سی عادتوں کا اختیار کرانا محض تضیع اوقات ہے۔ اگر کئی عادتیں اختیار کرانی ہوں تو اولاً سب سے مقدم اور ضروری عادت سے ابتدا کرانی چاہیئے۔ پھر اوروں کو یکے بعد دیگرے لینا چاہیئے*

(۳) عادتیں صحبت اور میل جول سے آسانی کے ساتھ پیدا ہو سکتی ہیں۔ اِس لئے ضرور ہے کہ بچّوں کے والدین اور اُن کے سرپرست اور معلّم خود نیک چلن ہوں تاکہ طلبہ میں بھی نیک عادات پیدا ہوں۔ اُستاد کو یاد رکھنا

چاہیئے کہ محض زبانی تعلیم و تلقین سے چنداں فائدہ متصور نہیں ہے تا وقتیکہ وہ خود اچھا نمونہ طلبہ کے سامنے پیش نہ کرے۔ اگر اُس کا کردار اِس کے گفتار کے مطابق ہے تو طلبہ سے حسب دلخواہ اخلاق حسنہ کی توقع کی جا سکتی ہے

۵ عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْئَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِیْنِهٖ
فَکُلُّ قَرِیْنٍ بِالْمُقَارِنِ یَهْتَدِیْ

فصل چہارم۔ قوتِ ارادی

۶۴۔ ارادہ اور اُس کی تربیت جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ تربیت اخلاق میں تاثرات اور ارادہ کی تربیت شامل ہے۔ تاثرات کا ذکر ہو چکا۔ اب جاننا چاہیئے کہ ارادہ کیا شے ہے۔ جو قوت ہمارے خیالات اور افعال کی ہادی ہے۔ یعنی ہم کو بتاتی ہے کہ یہ کام کرو اور یہ نہ کرو اُس کو ارادہ یا **قوّت ارادی** کہتے ہیں۔ اِس قوت کے ذریعے سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ بچّوں کی طبیعت میں جب کوئی محرک پیدا ہوتا ہے۔ تو اُسی وقت فعل بھی اُن سے سرزد ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُن کی قوت ارادی ضعیف اَور نا تربیت یافتہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات مثلاً غصّہ کی حالت میں ہماری بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کبھی کسی کو مار بیٹھتے ہیں۔ کبھی زجر و توبیخ کرتے ہیں۔ اور پیچھے پچھتاتے ہیں۔ پس قوتِ ارادی کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ارادہ اخلاق کی جان ہے۔ جب تک ارادہ میں استحکام اور

استقلال نہ ہو انسان کا کوئی کام پورا نہیں ہو سکتا۔ اُس کے کام اَدھورے اور ناقص رہتے ہیں۔ اِسی قوت کی بدولت انسان نفس امارہ کی خواہشوں اور جذبوں کو مغلوب کر سکتا ہے۔

۶۵۔ قوت ارادی کی تربیت کا طریق قوت ارادی کی تربیت میں امور مندرجہ ذیل قابل لحاظ ہیں۔

(۱) بچّوں کو اپنی ذات پر بھروسا کرنے کی عادت ڈلوانی چاہیئے۔ یعنی اپنے کام میں دوسروں کا سہارا نہ ڈھونڈیں اور اُن کے محتاج نہ رہیں۔ پس اُستاد کو احتیاط رکھنی لازم ہے کہ جن کاموں کی بھلائی بچّوں کو بخوبی ذہن نشین کرادی گئی ہے۔ وہ اُن کو ہمیشہ بلا تردد پورا کرنے کی کوشش کریں۔

(۲) جس کام کو کرنا چاہیں۔ اُس کے تمام پہلوؤں کو پہلے ہی سے اچھی طرح سوچ لیں اور پھر مشکلات کا کچھ خیال نہ کرکے استقلال اور سرگرمی کے ساتھ انجام دیں۔ اضطراب اور غُصّے کو دل میں راہ نہ دیں +

(۳) اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ قوی محرکات کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ قوت ارادی کو ضعیف کرتے ہیں مثلاً روز مرّہ بُرا سننے یا مار کھانے سے بچّہ بے حیا ہو جاتا ہے۔ اُس کا دِل ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ طبیعت میں ایک طرح کی مخالفت پیدا ہوتی ہے +

(۴) تربیت ارادی میں عادت کو بڑا دخل ہے۔ پس جب

تک کسی کام کی عادت نہ ڈالی جائے محض ارادہ کا زور کافی نہیں ہوگا +

فصل پنجم - عقل اخلاقی

۶۶ - عقل اخلاقی اور اُس کی ضرورت جس قوت سے ہم نیک و بد میں تمیز کرتے ہیں بعض حکما اُس کو عقل اخلاقی یا مُدرکۂ اخلاقی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ قوت دیگر قویٰ سے علیحدہ ہے۔ گر عموماً حکما رکی یہ رائے ہے کہ یہ کوئی جُداگانہ قوت نہیں ہے۔ بلکہ عقل ہی نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی قوت ہے۔ پس اگر عقل کو اِس نظر سے دیکھا جائے کہ وہ افعال کے نیک و بد میں تمیز کرنے کا آلہ ہے۔ تو وہ عقل اخلاقی ہے۔

اخلاق سکھانے میں عقل اخلاقی کی تربیت ضروریات سے ہے۔ تہذیب اخلاق کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ چند اُصول اخلاق مثلاً "سچ بولو"۔ "ماں باپ کی اطاعت کرو" وغیرہ بطور گُر کے طلباء کو صرف زبانی یاد کرا دیئے جائیں۔ اور وہ اُن کو اقلیدس کے اُصول موضوعہ کی طرح تسلیم کرکے اُن کے مُطابق عمل کیا کریں۔ ایسا کرنا گویا ریت پر دیوار قایم کرنا ہے۔ اگر ہم اخلاق کا بنیادی پتھّر مستحکم رکھنا چاہتے ہیں تو ضرور ہے کہ اُس کی بنا عقل پر ہو۔ کیونکہ قدرت نے انسان کو مثل ایک کل کے نہیں بنایا ہے بلکہ اِس کو ہر ایک بات

اثر ہو۔ مثلاً اگر ہم کسی بچّے سے کہیں "سچ بولنا تمہارا فرض ہے" تو وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ مگر تعریف اور ملامت کو سمجھتا ہے۔ سچ بولنے پر اُس کی تعریف کی جائے اور جھوٹ بولنے پر ملامت کی جائے تو وہ سچ کو اختیار کرے گا اور جھوٹ بولنے سے باز رہیگا*

(۴) جوں جوں بچّوں کی عقل بڑھتی جائے خارجی محرکات کو چھوڑ کر **فرض کا خیال** اُن کے دلوں میں پیدا کرنا چاہیئے مثلاً اُن کی طبیعت میں یہ بات بٹھانی چاہیئے کہ "سچ بولنا ہمارا فرض ہے"۔ **تربیت اخلاق کی تکمیل** اسی بات پر منحصر ہے کہ یہ محرک (فرض کا خیال) طلبہ کے دلوں پر حاوی ہو جائے۔ اور وہ اپنا فرض سمجھ کر نیکی کو اختیار اور بدی سے احتراز کریں۔ نہ کہ والدین یا اُستاد کی ناراضی کے خیال سے*

(۵) محرکات سے اِس طرح کام لیا جائے کہ بچّوں کو خوشی و راحت حاصل ہو نہ کہ رنج و کُلفت اِس لئے حتی الامکان **قوی محرکات** کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ مثلاً بات بات پر دھمکانا یا مارنا پیٹنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی پُرانی عادت کو چھڑانا اور نئی عادت کو اختیار کرانا ہو اُس وقت بعض صورتوں میں قوی محرک کا استعمال ضروری ہوگا۔

فصل سوم۔ عادات

۶۲۔ عادات اور اُس کا اثر مُقدمہ میں یہ بیان ہو چُکا ہے کہ کسی کام کو بار بار کرنے سے طبیعت میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کام میں آسانی ہوتی ہے۔ اور اُس کے کئے بغیر چین نہیں آتا۔ اِس کیفیت کو عادت کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ **عادت کا مشق کا نتیجہ** ہے *

جسمانی اور **عقلی تربیت** میں عموماً اور **اخلاقی تربیت** میں خصوصًا **عادت کو بہُت بڑا دخل** ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تہذیب اخلاق میں کسی کام کو اچھا یا بُرا سمجھ لینے سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اُس پر عمل کرنا۔ یعنی اچھے کام کو کرنا اور بُرے سے باز رہنا نہایت ضروری ہے۔ اور یہ بات عادت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چُنانچہ حُکما نے کہا ہے "العادۃُ طبیعۃٌ ثانیۃٌ" یعنی عادت دوسری فطرت بن جاتی ہے۔ اور اِس میں کُچھ شک بھی نہیں اور ہمارے روزانہ مشاہدہ سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔ کہ صحبت اور تربیت کا اثر آہستہ آہستہ ایسا مستحکم ہوتا ہے کہ وہ طبیعت ثانیہ بنکر نمایاں ہوتا ہے۔ یہ بات انسان کی طبیعت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ نباتات پر بھی اِس کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آم کا پودا سیب کے سایہ میں پرورش پائے تو آم میں سیب کی خوشبو اور ذائقہ ہوگا۔ اور نیم کے نیچے پرورش پائے

تو نیم کی بو باس اور مزہ اُس میں ہوگا۔ اِس مضمون کو شاعرانہ طور پر ایران کے مشہور شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

گِلے خوشبوے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویزِ تو مستم
بگفتا مَن گِلے ناچیز بودم۔
ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد۔
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

زمانہ قدیم کے بعض مشہور حکماء کی یہ رائے تھی کہ اخلاق قابل تغیّر نہیں ہے۔ اور ہر شخص ایک جُداگانہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ جس میں فرق نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر کوئی شخص فطرۃً نیک پیدا ہوا ہے تو وہ نیکی ہی کے کام کرے گا اور اگر بد پیدا ہوا ہے۔ تو بدی ہی اُس سے ظہور میں آئے گی۔ مگر زمانہ حال کے بعض لایق حکماء نے اِس خیال کی تردید کی ہے۔ اخلاق جلالی۔ اور اخلاق ناصری میں اِس پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ تہذیب اخلاق میں عادت دو وجہ سے نہایت کار آمد ہے۔

(۱)۔ اِس وجہ سے کہ عادت نہایت ہی مضبوط

ہتھیار ہے۔ ہر شخص پر اس کا بہت ہی بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہاں تک قدرتی جذبات و شہوات کو بھی۔خواہ کیسے ہی قوی ہوں۔ نیچا دکھا سکتی ہے۔ اور سختی سے نہیں بلکہ نہایت نرمی اور آہستگی سے رفتہ رفتہ ان کو زیر کرتی ہے۔

(۲) اس وجہ سے کہ ہم کوئی **عادت مستمرہ** خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لیکر نہیں آتے بلکہ ہر **عادت کی قابلیت** ہماری طبیعت میں موجود ہوتی ہے۔ غرض چال چلن کا بنانا یا بگاڑنا ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور اپنی بھلی یا بُری عادتوں کے ہم خود یا ہمارے والدین اور مربی و سرپرست ذمہ وار ہیں

۶۳۔ عادت کا اختیار کرانا بچوں کو کسی بات کی عادت ڈلواتے وقت معلّم کو یہ چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

(۱) عادت کے پیدا ہونے کے لئے **کافی وقت** درکار ہے۔ اس لئے اُستاد کو لازم ہے کہ تھوڑے عرصے میں بڑے بڑے نتائج کی توقع نہ کرے۔ اگر کسی لڑکے میں کوئی بد عادت پائی جائے تو اُس کے دور کرنے میں جلدی نہ کرے۔ جس طرح آہستہ آہستہ اُس نے وہ عادت حاصل کی ہے۔ اُسی طرح قدم بقدم اُسی راستہ پر پیچھے ہٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کوئی عادت نہ تو ایک دن میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور نہ ایک دن میں دُور ہو سکتی ہے۔

(۲) طلبہ کی ذرا ذرا سی **حرکتوں پر بڑی ہوشیاری**

کے سوچنے سمجھنے اور اس پر رائے قایم کرنے کی عقل عطا ہوئی ہے +

۶۷ - عقل اخلاقی کی تربیت اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا میں بچہ تاثرات کے ذریعے سے اخلاق سیکھتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں مگر بڑی عمر کے سمجھ دار بچے سے اس بات کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ جو کچھ ہم کہیں اُس کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کرلے۔ اس لئے کہ جوں جوں اُس کی عمر بڑھتی جائے اور کسی بات کے سمجھنے اور اُس پر رائے قائم کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی جائے۔ اُس کی عقل کے مطابق افعال کے اسباب و نتائج بھی اِس کے ذہن نشین کرنے چاہئیں یا یوں کہو کہ **عقل اخلاق کی تربیت** ہونی چاہیے اِس مدعا کو حاصل کرنے کے واسطے اِن ہدایتوں کی پابندی ضروری ہے +

(۱) بادی النظر میں عقل کی تربیت کے دو ہی طریقے خیال میں آسکتے ہیں (ا) **حکم** یعنی بچے کو کسی کام کے کرنے کی ہدایت کرنا یا یہ بتانا کہ فلاں کام کرو (ب) **امتناع** یعنی یہ کہنا کہ فلاں کام بُرا ہے اس کو نہیں کرنا چاہیے +

چھوٹے بچوں اور مبتدیوں کے واسطے پہلا طریقہ ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اور بُرے کاموں کے سوچنے میں ان کی عقل کو مصروف نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر شروع سے اُن کے سامنے بُرے کاموں کا ذکر کیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ انہیں

کو کرنے لگیں اور "سرود بستان یاد دہانیدن" کا مضمون صادق آئے۔ طبع انسانی کا یہ ایک خاصہ ہے کہ جس کام سے روکا جائے اُسی کے کرنے کو دل چاہتا ہے۔ چنانچہ عربی مقولہ ہے اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ اِس کے سوا بدی کی ہزاروں صورتیں ہیں کس کس برائی سے اُس کو ممانعت کرو گے۔ نیکی کا صرف ایک رستہ ہے کیوں نہ اُس کو ایک ہی رستہ پر ڈالا جائے؟

دوسرا طریقہ یعنی امتناعی بڑی عمر کے طلبہ کے لئے مُفید ہے۔ کیونکہ وہ نیکی بدی کو سمجھ گئے ہیں مگر اُن کے لئے بھی صرف اِسی طریقہ سے کام نہیں لینا چاہئے۔ بلکہ دونوں طریقوں کو ملا کر تربیت کرنی چاہئے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ دونو طریقے لازم و ملزوم ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "سچ بولنا اچھا ہے" تو اِس میں یہ مفہوم بھی داخل ہے کہ "جھوٹ بولنا بُرا ہے" تاہم چھوٹے بچوں کو اُس کی منفی صورت نہیں بتانی چاہئے۔

(۲) تربیت اخلاقی طلبہ کے مُناسب حال ہونی چاہئے
اکثر مُعلّم اخلاق سکھانے کا مقصد یہی سمجھتے ہیں کہ اپنے شاگردوں کو اُصول اخلاق سے متعلق روکھی پھیکی نصیحتیں کیا کریں اور وہ خاموش بیٹھے سُنا کریں۔ یہ طریقہ ہرگز مُناسب نہیں ہے اِس سے تو اُن کا دل ملول اور پریشان ہوگا۔ اور کوئی فائدہ متصوّر نہیں ہے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ جو بات بتائی جائے وہ طلبہ کے

دِل پر نقش ہو جائے پس ضرور ہے کہ خود طلبہ کے چال چلن کی یا جس شہر میں مدرسہ ہو وہاں کے لوگوں کے چال چلن کی مثالیں لیکر ایک دل چسپ طریقہ سے طُلبہ کے سامنے پیش کی جائیں۔ مثلاً اگر بچوں سے بار بار صرف یہ کہا جائے کہ "سچ بولو" تو اِن کے دلوں پر اِس بات کا چنداں اثر نہ ہوگا۔ ہاں اگر اِن کو بتایا جائے کہ جھُوٹ بولنے والے کی سچی بات کو بھی لوگ جھوٹا ہی سمجھے ہیں جس سے اُس کو بڑی مُصیبت ہوتی ہے۔ یا اُستاد یہ کہے کہ "دیکھو فلاں لڑکے نے فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا اب مجھے اُس کی بات کا اعتبار نہیں رہا" اب جو لڑکا جھُوٹ بولے گا اُس کا بھی یہی حال ہوگا تو اُن کے دلوں پر یہ بات بخوبی نقش ہو جائے گی اور وہ جھوٹ سے بچنے کی کوشش کریں گے اور اِس طرح راستی کی عادت اِن میں مُستحکم ہو جائے گی ۔

(۳) چونکہ مدارس میں تعلیم اخلاق کے لیے جُداگانہ وقت مقرر نہیں ہوتا۔ اِس لیے اُستاد کو وقتاً فوقتاً زبانی تعلیم دینی لازمی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ ہر روز اِس کے لئے کوئی خاص وقت نکالا جائے۔ بلکہ اثنائے تعلیم میں جب کبھی کوئی موقع پیش آئے اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ یہی طریقہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ کبھی اخلاق کی مختلف مثالیں لیکر طلبہ کا امتحان کرنا چاہیئے۔ یعنی اُن سے یہ کہنا چاہیئے کہ اُن کے

حُسن و قبح پر اپنی رائے لگائیں - اِس طرح معلوم ہوتا رہیگا
کہ طلبہ کی عقل اخلاقی نے کس درجہ تک ترقی کی ہے *
(۴) تاریخ - سوانح عُمری - قصص و حکایات اور
کُتبِ اخلاق میں سے جو سرمایہ اور مصالح بہم پہنچ سکے
اُس کو کام میں لانا چاہئے - اخلاقی اُصول کو کہانیوں
کے پیرایہ میں بیان کرنا بالخصوص مُبتدیوں کو اخلاق
سکھانے کا نہایت عُمدہ ذریعہ ہے - اِس لئے درسی کتابوں
کے مرتب کرنے میں اِس بات کی احتیاط رکھنی لازم ہے
کہ اُن میں واقفیت عامہ کو بڑھانے والے مضامین کے
علاوہ اخلاقی تعلیم کا بھی کافی سرمایہ ہو *
غرض طلبہ میں ایسی قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ وہ اپنے
چال چلن کا دستورالعمل خود مقرر کرکے اُس پر عمل
کریں - افعال کے حسن و قبح کو سمجھیں - اُن کے نتائج پر غور
کریں اور اپنی رائے قائم کریں - یہی تربیت اخلاق کی علّت
غائی ہے *

فصل ششم - فضائل اخلاق

۶۸ - فضائل اخلاق اب ہم چند فضائل اخلاق پر بحث کرتے
ہیں اُن کی ضرورت اور اُن کے سکھانے کا طریقہ بتاتے ہیں
اِس کے بعد رذائل مزاج کا ذکر کریں گے - تربیت اخلاق
کی تکمیل کے لئے ضرور ہے کہ ہم کو فضائل اور رذائل

دونو سے بخوبی واقفیت ہو۔ تاکہ اوّل کو اختیار اور دوم سے اجتناب کریں ؂

خاص خاص فضائل اخلاق یہ ہیں۔ راستی۔ عدل۔ مہربانی حیا۔ محنت۔ اطاعت و آزادی۔ اعتدال۔ ان میں سے ہر ایک کا پورا پورا حال بیان کیا جائے گا ؂

اوّل۔ راستی

۶۹۔ راستی اور اُس کی فضیلت راستی وہ خصلت ہے جس کے ذریعے سے ہمارے **اقوال۔ افعال** اور **خیالات** ظاہر و باطن میں یکساں ہوں۔ اِسی کو سچ یا سچائی کہتے ہیں۔ یہ وصف تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اور بذاتِ خود جملہ فضائل اخلاق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اوّل اوّل بچّے کی طبیعت میں نہ تو اتنا زور ہوتا ہے اور نہ اُس کو اتنا تجربہ ہی ہوتا ہے۔ کہ اِس خصلت کی عظمت کو بخوبی سمجھ سکے تاہم اِس کی خوبی کا اثر فطرةً اِس کے دل میں مرکوز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب بچّہ جھوٹ بولتا ہؤا پکڑا جائے تو بہت شرمندہ ہوتا ہے اور اگر کوئی اُس کو جھوٹا بتائے تو ناراض ہوتا ہے ؂

۷۰۔ راستی کی خلاف ورزی راستی یا سچ کے برخلاف دروغ یا جھوٹ کا لفظ بولا جاتا ہے یہ عادت بھی صرف قول تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جیسا راستی

کی تعریف میں بیان ہوا ہے۔ ہمارے اقوال افعال اور خیالات سب پر حاوی ہے۔ اِس لئے راستی کے خلاف عمل کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً۔

(۱) جان بوجھ کر خلاف واقعہ بیان کرنا +

(۲) قصور کرنا اور پھر فضول عذر اور حیلے پیش کرنا یا حجتیں چھانٹنا +

(۳) واقعات کو مُبالغہ کے ساتھ بیان کرنا خواہ محض بے پروائی سے ہو۔ خواہ اپنی تعلّی اور شان و شوکت ظاہر کرنے کی غرض سے +

(۴) مبہم الفاظ کا استعمال کرنا اِس غرض سے کہ مخاطب کا ذہن امر واقعی سے جھوٹ کی طرف مائل ہو جائے +

(۵) ریا کاری یعنی خاموشی یا دیگر حرکات و سکنات کے ذریعے سے اپنی حیثیت اور عزت بڑھانے کے لئے ایسی باتوں کو مشہور کرانا جن سے لوگوں کے دلوں پر خلاف واقعہ اور غلط اثر پیدا ہو +

(۶) وعدہ خلافی کرنا۔ خواہ غفلت سے اُس کو انجام نہ دیا جائے۔ خواہ اِس وجہ سے کہ بے سوچے سمجھے ایسا وعدہ کر لیا۔ جس کا ایفا اپنی قدرت سے باہر ہو +

(۷) کذب فی الافعال (عملی دروغ) یعنی ایسا کام کرنا جو دیانت کے خلاف ہو۔ مثلاً امتحان کے وقت ایک لڑکے کا دوسرے کی نقل کرنا یا اُس سے کچھ پُوچھ لینا +

۱۷۔ راستی سکھانے کا طریق طلباء کو راستی سکھانے کیلئے معلّم کو ذیل کے محرکات سے کام لینا چاہیئے +

(۱) اُستاد کو اپنے ڈھنگ اور برتاؤ سے یہ ظاہر کرنا چاہیئے کہ سچ بولنا معمولی بات ہے اِس لیئے راستی کے صلے میں انعام وغیرہ دینا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ انعام کا لالچ اِس عادت کو طلبہ کے دلوں میں مُستحکم نہیں ہونے دے گا۔ جب تک انعام کی اُمید ہے اُس وقت تک سچ بولیں گے۔ جب یہ اُمید منقطع ہو جائے گی اُس وقت سچ بولنے کا کوئی محرک نہ رہے گا۔ حالانکہ ہمارا مقصد ہے کہ یہ ملکہ اُن کی طبیعت میں راسخ ہو جائے۔ اور اُس کی عظمت اُن کے دلوں میں گھر کر جائے۔ اِس لئے لازم ہے کہ جو لڑکے سچ بولنے والے ہیں اُستاد اُن کی بات پر بھروسا اور اعتماد کرے؛ راستی کا یہی بڑا صلہ ہے +

(۲) شک رکھنا اور بدگمانی کرنا کسی حالت میں دُرست نہیں ہے۔ اگر کسی لڑکے پر جھوٹ ثابت نہ ہو تو اُس سے بدگمان رہنا فضول ہے۔ برعکس اِس کے جب کسی کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو اِس صورت میں بدگمانی کا موقع نہیں رہا۔ بلکہ پورا یقین ہو گیا۔ اُس کا قرار واقعی انسداد کرنا چاہیئے۔ بدگمانی سے کیا کام چل سکتا ہے +

(۳) راستی کی عادت بہ تدریج ڈالنی چاہیئے۔ مثلاً اگر کوئی لڑکا جھوٹ بولے تو اُستاد کو چاہیئے کہ اوّل نرمی سے اِس طرح

فہمایش کرے۔" مجھے تمہاری اِس حرکت پر بڑا تعجب اور افسوس ہے۔ تمہاری یہ حرکت نہ صرف تم کو بلکہ تمام مدرسہ کو بد نام کرتی ہے وغیرہ۔" اگر فہمایش کارگر نہ ہو تو اپنا اعتماد اُٹھا لینا چاہیئے۔ اور جب تک بخوبی ثابت نہ ہو جائے کہ اُس نے جھوٹ بولنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اِس وقت تک اُس کی کسی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ اگر جھوٹ کی عادت کسی بچّے میں اِس قدر مستحکم ہو گئی ہو کہ اِن نرم تدابیر سے اُس کا استیصال مُمکن نہ ہو۔ اُس وقت سخت سزا دینی مُناسب ہے +

(۴) اگر کوئی لڑکا اپنے قصور کا اعتراف کرے اور سچّے دل سے اُس پر پشیمان ہو کر آیندہ اُس سے باز رہنے کا وعدہ کرے تو اُس کو مُعاف کر دینا چاہیئے۔ بلکہ سب لڑکوں کے سامنے اُس کی تعریف بھی کرنی چاہیئے +

(۵) راستی زیادہ تر تقلید کا نتیجہ ہے۔ اِس لئے پُرضرور ہے کہ اُستاد اپنے اقوال و افعال میں راستباز ہو۔ اپنے وعدوں کو پورا کرے۔ ہنسی دل لگی میں بھی مطلق جھُوٹ نہ بولے اور بچّوں کے والدین اور وہ لوگ جن کی صحبت میں وہ اُٹھتے بیٹھتے ہیں سب کے سب اِس صفت کے ساتھ موصوف ہوں +

(۶) بڑی عمر کے سمجھ دار طلبہ کو راستی کے فائدے اور جھوٹ کے نقصان بھی بتانے چاہئیں۔ اور مجلسی مُلکی۔ اخلاقی اور مذہبی اعتبار

سے اُس کی عظمت اُن کے دلوں پر نقش کرنی چاہیئے۔

۲۷- جھوٹ کے محرکات اب ہم اُن باتوں کو بیان کریں گے جن کی وجہ سے طلبہ جھوٹ بولنا شروع کرتے ہیں۔ راستی سکھانے کے لئے معلّم کو اُن سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

(۱) سب سے بڑا محرک جھوٹ بولنے کے لئے اُستاد کی نا واجب سختی اور بیجا تشدد ہے۔ جب طلبہ کو اُستاد کی سختی سے بچنے کے لئے کوئی مفر نظر نہیں آتا۔ تو وہ سزا کے خوف سے جھوٹ بول کر اپنی جان بچاتے ہیں اِس لئے اُستاد کا برتاؤ طلبہ سے معقول اور نرم ہونا چاہیئے۔

(۲) خود بینی بھی دروغ گوئی کا محرک ہوتی ہے۔ اِس لئے اُستاد کو لازم ہے کہ اپنے ہمسروں سے سبقت لیجانے کا خیال جو لڑکوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اُس کو حد اعتدال پر قایم رکھے۔ اگر اُستاد ہوشیار لڑکوں کی زیادہ تر تعریف کرے یا اُن کو بہت کچھ انعام وغیرہ دیکر اپنی خاص رضامندی کا اظہار کرے تو لڑکے خود بخود یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اپنے سبقوں کو محنت سے یاد کرنا ہی اُستاد کی نظروں میں وقعت پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اِس لئے راستی جیسی ضروری صفت کو ہیچ اور فضول سمجھ کر اِس کی طرف توجہ نہیں کرتے پس یہ عام قاعدہ اُستاد کو مدِ نظر رہنا چاہیئے۔ کہ اخلاقی صفتوں کو (جن کی جڑ راستی ہے) سبقوں کی

تیاری وغیرہ پر ہمیشہ ترجیح دے +

(۳) بچّوں کو بُہت کھینچ تان کر راستی کی طرف لانا بھی اکثر اُن سے جھُوٹ بُلواتا ہے۔ مثلاً جماعت کے روبرو اُستاد کسی لڑکے سے جو مذہبی فرایض سے غافل ہو۔ یہ پوچھے کہ تم باقاعدہ طور پر اپنے مذہبی فرایض (جیسے نماز روزہ پوجا پاٹ وغیرہ) کو پورا کرتے ہو یا نہیں" تو ایسی صورت میں اِس کو اپنی عزت کے قایم رکھنے کا خیال جھوٹ کی طرف مایل کرے گا اور وہ یہی جواب دے گا کہ "ہاں جناب میں اِن کو برابر پورا کرتا ہوں"۔ اُستاد کو احتیاط رکھنی چاہیئے کہ اپنے شاگردوں کو ایسی کسوٹی پر نہ کسے +

(۴) اکثر اوقات بچے ہنسی نداق میں جھوٹ بولنا سیکھتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن کو عادت ہو جاتی ہے۔ اُستاد کو اِن کی بھی اجازت نہ دینی چاہیئے +

۴۷۔ غمازی اور اُس کے نقصان راستی کا بیان ختم کرنے سے پہلے غمازی یا چغل خوری کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض لڑکے غلطی سے اِس عادت کو بھی راستی میں داخل سمجھتے ہیں۔ اُستاد کو چاہیئے کہ اِن دونو کا فرق لڑکوں کو سمجھا دے۔ غمازی سے ہماری مُراد وہ عادت ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اُن تمام عیبوں کو جو دوسروں کے چال چلن میں اُس کو معلوم ہوتے ہیں۔

بیان کردیتا ہے۔ جب اُستاد کسی معاملہ کا حال اپنے شاگردوں سے دریافت کرے تو اُن کو دلیری کے ساتھ صاف صاف بلاکم و کاست اصل حقیقت بیان کردینی چاہئے۔ یہی مقتضائے راستی ہے۔ مگر بلا استفسار خواہ مخواہ دوسرے لڑکوں کی باتیں اُستاد تک پہنچانا غمازی ہے۔ اور یہ سخت عیب ہے۔ یہی عادت ترقی کرکے رفتہ رفتہ جھوٹ بولنے کا باعث ہوتی ہے +

جس مدرسہ میں طلبہ کو غمازی کی عادت ہوتی ہے۔ وہاں طرح طرح کی خرابیاں ظہور میں آتی ہیں۔ مثلاً۔

(۱) اُستاد اور شاگردوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا۔ حالانکہ مدرسہ کی اخلاقی حالت کو ترقی دینے کے لئے یہ بات ضروری ہے +

(۲) غمازی کرنے والے کے حق میں بھی اِس کا نتیجہ مُضر ہے کیونکہ وہ اپنے تئیں گویا ایک محتسب سمجھنے لگتا ہے جس کا کام دوسروں کے چال چلن کی نگرانی رکھنا ہے۔ اور اِسی وجہ سے خود اپنے چال چلن کی اصلاح سے غافل رہتا ہے۔ یہ عادت اوّل اوّل بلا شک راستبازی کے خیال سے پیدا ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ دروغ گوئی کا باعث ہو جاتی ہے۔

(۳) جس کی چغلی کھائی جائے اُس پر بھی اُس کا اثر بُرا پڑتا ہے۔ اُس کو چغلی کھانے والے اور مُعلّم دونوں سے ایک

عداوت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب وہ نہ تو اُستاد کی فہمایش پر کان دھرے گا۔ اور نہ سزا سے کچھ فائدہ اُٹھائے گا ×

(۴) اُستاد کے لئے بھی مُضر ہے۔ یہ بات حُسنِ انضباط کے خلاف ہے۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شاگردوں کے دل میں اُستاد کی قدر و منزلت نہیں رہتی ×

۷۴۔ غمازی کا انسداد اگرچہ عام قاعدہ یہی ہے کہ جب تک اُستاد کسی قصور کو بچشم خود معائنہ نہ کرے۔ کسی کے کہے سُنے پر عمل نہ کرے مگر اِس میں شک نہیں کہ بعض موقعے ایسے بھی نکلیں گے کہ کسی خاص بُرائی کو روکنے کے لئے اُستاد کو طلبہ سے مدد لینے اور اُن سے استفسار کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ تاہم طلبہ کو اناپ شناپ ہر بات کی رپورٹ کرنے یا یوں کہو کہ غمازی کی عادت سے روکنا ضروریات سے ہے۔ اِس کے علاج یہ ہیں ×

(۱) جس لڑکے میں یہ عادت پائی جائے اُستاد اُس کو علیحدہ تنہائی میں بُلاکر نصیحت کرے۔

(۲) تعلیم کے وقت جماعت کے سامنے اِس عادت کے نقصان بیان کرے ×

(۳) چُغل خوروں کی باتوں پر کچھ دھیان نہ کرے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو اُن کو تنبیہ اَور چشم نمائی کرے ×

دوم۔ عدل

۷۵۔ عدل اور اُس کی قسمیں عدل سے مُراد ہے

دوسروں کو اُن کا حق پہنچانا۔ جس میں تعصب طرفداری اور خود غرضی کا مطلق دخل نہیں۔ عدل کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔ **دیانت** اور **صاف دلی** +

(ا) **دیانت**۔ اِس سے یہ مُراد ہے کہ دوسروں کے مال کو اِس نظر سے دیکھنا کہ وہ اُن کا مال ہے اور ہمارا اُس پر کوئی حق نہیں ہے۔

(ب) **صاف دلی**۔ اِس سے یہ مُراد ہے کہ دوسرے لوگوں کی خصلت اور خیالات کو ایسی نظر سے دیکھنا کہ جیسے وہ فی الحقیقت ہیں +

۶۷۔ دیانت راستی کی طرح دیانت کی عظمت بھی بچّہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ تاہم اتنا ضرور جانتا ہے کہ دیانت اچھی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اِس کی چیز چُرالے تو بہت ناراض ہوتا ہے۔ یا خود چوری کرتا ہوا پکڑا جائے تو مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے +

غریبوں کے بچّوں میں عموماً دیانت کم پائی جاتی ہے۔ اُن کے ماں باپ اپنی مفلسی کی وجہ سے اِن کی ضرورتوں اور خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ اِس لئے وہ دوسرے بچّوں کی چیزیں چُرا لیتے ہیں اُستاد کو ایسے بچوں کی تربیت کا خاص کر خیال رکھنا چاہیئے +

جو شخص دیانت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اُس کو **بد دیانت** اور اُس کے فعل کو **بد دیانتی** کے نام سے

موسوم کرتے ہیں۔ بد دیانتی گناہ بھی ہے۔ اور جرم بھی۔ بد دیانتی کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:-

(۱) دوسروں کا مال چرا لینا یا زبردستی چھین لینا۔ یا کسی کی امانت میں خیانت کرنا +

(۲) پائی ہوئی چیز کو اپنے قبضے میں رکھ لینا اور اس کے مالک کو تلاش نہ کرنا +

(۳) مستعار چیز کو بے پروائی یا غفلت سے خراب یا ضائع کر دینا +

(۴) بیش قیمت چیز کو دیدہ و دانستہ ارزاں قیمت پر خرید لینا +

(۵) دوسرے لوگوں کی چیز پر حسد کرنا کہ ہائے یہ چیز ہمارے پاس نہیں ہے یہ بھی ایک طرح کی بد دیانتی ہے +

(۶) امتحان کے وقت اپنے ہم جماعت طلبہ کے جوابات کی نقل کرنا +

(۷) دوسرے لڑکوں کو چپکے چپکے یا اشاروں کے ذریعے سے جوابات بتانا +

۷۷۔ دیانت سکھانے کا طریق بچوں کو دیانت سکھانے میں بھی انہی محرکات کا استعمال کرنا چاہیئے۔ جو راستی کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ علاوہ بریں مفصلہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہیئے +

(۱) اگر کسی لڑکے کی بد دیانتی ثابت ہو جائے تو اس کا

اعتبار نہیں کرنا چاہیئے تاوقتیکہ وہ اپنے آیندہ چال چلن کے ذریعے سے اِس بات کو ثابت نہ کردے کہ اُس نے اِس عادت کو ترک کردیا ہے +

(۲) اگر کوئی لڑکا دیدہ و دانستہ بد دیانتی کا مرتکب ہو اور تعلیم و تلقین کا اس پر کچھ اثر نہ ہو تو اُس کو سخت سزا دینی چاہیئے +

(۳) جو لڑکا پائی ہوئی چیز کو اُستاد کے سامنے لاکر پیش کرے اُس کی تعریف کرنی چاہیئے۔ تاکہ دوسرے لڑکوں کو دیانت کی ترغیب پیدا ہو +

(۴) خود اُستاد کو اعلےٰ درجہ کا دیانت دار ہونا چاہیئے گری پڑی یا پائی چیز کو کبھی بھول کر بھی اُستاد اپنے تصرف میں نہ لائے +

(۵) بچّوں کو بد دیانتی اور لالچ سے نفرت دلانے کے لئے قناعت اور سخاوت کی عادت ڈلوانی چاہیئے +

۷۸۔ صاف دلی یہ وہ فضیلت ہے جس کے ذریعے سے ہم دوسرے لوگوں کی خصلت اور خیالات کی نسبت بہ نظر انصاف رائے لگاتے ہیں اِس کی باقاعدہ تربیت نہایت ضروری ہے کیونکہ اِس کا اثر صرف ہماری خصلت پر ہی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کی خصلت پر بھی ہوتا ہے۔ صاف دلی کے خلاف عمل کرنے کی کئی صورتیں ہیں

(۱) دوسرے لوگوں کے افعال کو بُری نظر سے دیکھنا اور اُن میں بُرائی کا پہلو نکالنے کے درپے ہونا +

(۲) دوسروں کی لیاقت۔ قابلیت یا اُن کے اغراض کی تحقیر کرنا +

(۳) اُن کے اقوال یا خیالات کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا۔ یا اُن میں سے ضروری باتوں کو نظر انداز کردینا یا اصل مطلب کو خبط کرکے جُداگانہ پیرایہ میں ادا کرنا۔ تاکہ لوگوں پر اُس کا بُرا اثر پڑے۔

۷۵۔ صاف دلی سکھانے کا طریق چونکہ صاف دلی راستی کی ایک شاخ ہے اس لیئے اِس خصلت کی تربیت میں بھی اُنہی امور کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ جو راستی کے باب میں بیان ہوئے ہیں۔ اِس کے علاوہ ذیل کی باتوں کا خاص طور پر خیال رکھنا لازم ہے۔

(۱) اُستاد کو شاگردوں کے افعال و حرکات کی پوُری پوُری داد دینی چاہیئے۔ اُن کی خوبیوں کی واجبی تعریف کرنی چاہیئے۔ اور ان کے عیوب اور قصوروں کو رنگ آمیزی اور مُبالغہ کے ساتھ بیان نہیں کرنا چاہیئے +

(۲) چوُنکہ یہ وصف خود بینی خود پسندی اور حسد وغیرہ کی وجہ سے زایل ہو جاتا ہے۔ اِس لئے مہربانی اور عجز و انکسار کی تعلیم سے طلبہ صاف دلی کا سبق بالضرور سیکھیں گے +

سوم - مہربانی

۸۰ - مہربانی اور اُس کی فضیلت مہربانی ایسا وصف ہے جو ہم کو دوسرے لوگوں کو خوش کرنے اور اُن کی خوشی کو ترقی دینے کی ہدایت کرتا ہے +

یہ وصف نہایت اعلےٰ درجہ کا ہے - کیونکہ تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہی ہے کہ ہم نوع انسان کی خوشی کو ترقی دیں - دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں - اور اپنے مزاج اور طبیعت کو قابو میں رکھیں - سچ تو یہ ہے کہ جس شخص نے علم حاصل کیا مگر اپنی خود غرضی کے دائرے سے نکل کر حتی الامکان دوسروں کو فیض نہ پہنچایا اُس نے اپنے علم و فضل کو خاک میں ملایا - اور اپنی عمر کو بے فائدہ گنوایا انسان مدنی الطبع اور دوسروں کی مدد کا محتاج ہے - اور ہر قسم کے آدمیوں سے اُس کو روز مرہ کام پڑتا ہے اگر ہر شخص اپنے ہی مطلب سے مطلب رکھے اور اوروں کی ضرورتوں اور حقوق سے چشم پوشی کرے تو زندگی وبال ہو جائے - زمانہ طالب علمی کا بھی یہی حال ہے - طلبہ پر اپنے ہم مکتبوں کی گفتار - کردار اور اوضاع و اطوار کا بہت اثر پڑتا ہے - اُن کی خوشی اور تکلیف ایک حد تک اسی پر منحصر ہے کہ دوسرے طلبہ اُن کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں - اُستاد کو مدرسہ میں اس شریف

خصلت کی تعلیم دینے کا بہت موقع ملتا ہے۔ کیونکہ وہاں بہت سے بچے مِل جُل کر تعلیم پاتے ہیں بچوں کو ایک دوسروں کے ساتھ مہربانی کرنے کی تعلیم دیتے وقت یہ بیش بہا گُر اچھی طرح ذہن نشین کر دینا چاہیئے کہ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند"۔

۱۸۔ مہربانی کی خلاف ورزی مہربانی کے خلاف عمل کرنے کی بُہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں:-

(۱) اپنی خود غرضی کی وجہ سے دوسروں کی مصیبتوں میں ہمدردی ظاہر نہ کرنا۔

(۲) دُرشتی اور اکھڑ پن سے دوسروں کو آرام و آسایش پہنچانے سے انکار کر دینا۔

(۳) زبانی گفتگو اور اطوار میں آداب و اخلاق کا لحاظ نہ رکھنا۔

(۴) دوسروں کو نام دھرنا جو اُن کو بُرا لگے۔

(۵) ایسی ہنسی یا دل لگی کرنا جس سے دوسروں کو نقصان یا تکلیف پہنچے۔

(۶) غریبوں اور بد صُورتوں کی ہنسی اُڑانا۔

(۷) طاقتوروں اور زبردستوں کا کمزوروں اور زیردستوں پر ظلم و تعدی کرنا۔ جانوروں کو تکلیف دینا اور اُن کے ساتھ بے رحمی کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

بچوں میں جو نا مہربانی کی خصلت پائی جاتی ہے۔ وہ

زیادہ تر غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ہوتی ہے وہ اپنے اقوال و افعال اور اُن کے نتائج کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اِسی وجہ سے اُن کی یہ خصلت جُرم اور گُناہ کے درجہ کو نہیں پہنچتی ہے۔ تاہم اُستاد کو اُس سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے۔

۸۲ - مہربانی سکھانے کا طریق بچوں کو مہربانی سکھانے کے لِئے مُفصلہ ذیل ہدایتوں پر عمل کرنا چاہیئے:۔

(۱) ہر ایک بات کی حُسن و قبح اور اُس کے نتائج پر غور و خوض کرنے کی عادت ڈلوانی چاہیئے +

(۲) مہربانی کرنے سے خود بخود روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اِس لئے جو بچّے کسی کے ساتھ مہربانی کریں اُن کو اُس کے صلہ میں انعام وغیرہ دینے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ وہ انعام کے لالچ سے مہربانی اختیار کریں گے۔ نہ کہ دل کی اُمنگ سے +

(۳) اُستاد کی طرف سے مہربانی کا صلہ بھی کافی ہے کہ وہ مہربانی کرنے والے بچّوں کے ساتھ اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور اُن پر اعتماد رکھے +

(۴) مہربانی سکھانے میں سختی سے کبھی کام نہیں لینا چاہیئے۔ البتہ اگر کسی بچّے کی طبیعت ظالمانہ اور بے رحم ہو تو ایسی حالت میں اُس کی اصلاح کے لِئے سزا دینی مناسب ہے +

(۵) سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ خود اُستاد مہربان ہو اور اپنے شاگردوں کے ساتھ نرمی اور ہمدردی سے برتاؤ کرے تاکہ وُہ اُس کی تقلید سے مہربانی سیکھیں۔

چہارم ۔ حیا

۴۲ ۔ حیا اَور خود بینی حیا ایک قسم کی تواضع ہے یعنی اپنی حیثیت سے بڑھکر اپنے تئیں نہ سمجھنا ۔ حیا دار بچے غرور اور خودستائی سے باز رہتے ہیں ۔ اور اگر کسی قصُور پر اُن کو زجر و توبیخ کی جائے تو اُس کو چُپ چاپ برداشت کرتے ہیں۔

حیا کی ضد خود بینی ہے جس کے معنے ہیں ناواجب غرور اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ۔ جس کے ہم مستحق نہیں ہیں ۔ یہ بہُت بُری خصلت ہے ۔ اِس سے یہ نقصان ہیں :۔

(۱) خود بین اپنی شیخی اور گھمنڈ کی وجہ سے تحصیل علم و اخلاق سے بے بہرہ رہتا ہے ۔

(۲) جھوٹے دعووں اور لاف و گزاف کی وجہ سے دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔

۴۳ ۔ خود بینی کا انسداد چھوٹے بچوں میں خود بینی بہُت ہوتی ہے اُستاد کو چاہئے کہ اِس عادت کو ترک کرائے اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے یہ ضرور نہیں ہے کہ جو خوبیاں بچوں میں پائی جاتی ہیں ۔ اُن کی داد ندیجائے

یا اُن کی قدر نہ کی جائے بلکہ صرف اِس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ تعریف کے موقع پر تعریف کی جائے اور وُہ بھی ایک خاص مقدار اور اندازہ کے ساتھ۔ جہاں کہیں زجر و ملامت کی ضرورت ہو وہان زجر و ملامت سے کام لینا چاہیئے۔ اگر کوئی بچّہ اپنی جھوٹی شیخی اور لاف وگزاف کی حکایت بیان کرے تو اُس کی بات پر دھیان نہ کرنا چاہیئے۔ بڑی عمر کے طلبہ کو خود بینی کے نقصان بخوبی بتا دینے چاہئیں۔ کہ خود بینی اُن کی عزت کو کھو دیتی ہے۔ دوسرے لوگ اُن کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ اور اُن کو ذلیل سمجھتے ہیں +

۸۵۔ حیا کی افراط و تفریط حیا کی افراط یا حد سے زیادہ بڑھ جانے کو حجاب یا عدم موانست سے موسوم کرتے ہیں۔ اور حیا کی تفریط یعنی حد اعتدال سے گھٹ جانا بے باکی یا شوخ چشمی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے +

حجاب یا زیادہ شرمیلا پن کم و بیش سب بچّوں میں پایا جاتا ہے۔ جبکہ وہ کسی نئی جگہ جاتے ہیں مگر تھوڑے عرصے میں یہ جھجک خود بخود جاتی رہتی ہے۔ اگر نہ جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ عیب ہے۔ اَور یا تو قدرتی بزدلی کی وجہ سے یا تنہا رہنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ میل و جول نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اِس کا علاج یہ ہے:-

(۱) اُستاد جماعت میں ایسے لڑکوں کو جرأت و ہمّت دلائے۔ مدرسہ کے وقت کے علاوہ بھی کبھی کبھی بات چیت کرکے اُن کا دِل بڑھائے +

(۲) ہم عمر بچّوں کے ساتھ اُن کے مِلنے جُلنے کا سامان مُہیّا کرے +

بے باکی یعنی اپنے تئیں بُہت کچُھ سمجھنا۔ اپنی حیثیت سے بڑھکر قدم رکھنا اور ایسی باتیں کرنا جو اپنی بساط سے باہر ہوں یہ عیب اکثر بچّوں میں محض خود بینی کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اِس عیب کو دور کرنے کے لِئے وہی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جو اوپر خود بینی کے ذکر میں لکھی گئی ہیں۔ مگر بعض صورتوں میں بے باکی۔ تیزی طبع کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اِس کا علاج کچُھ مشکل نہیں ہے۔ اُستاد کو چاہئے کہ ایسے لڑکوں کی باتوں کی کچُھ پروا نہ کرے بلکہ جو لڑکے حیادار ہوں اُن کی طرف توجہ کرے۔ اور اُن کی تعریف کرے۔ جن لڑکوں کی بے باکی بُہت زیادہ بڑھ جائے اُن کو سزا دینی چاہئے +

پنجُم۔ مِحنت

۸۰۶۔ مِحنت کی عظمت کوئی کام محنت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان کی ترقی۔ کامیابی اور بہبُودی محنت پر منحصر ہے۔ اپنے فرائض منصبی کو محنت کے ساتھ انجام دینے

سے طبیعت کو ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی ہے اِس لِئے ہر شخص کو محنت کا عادی ہونا نہایت ضروری ہے۔ بچّے محنت کی قدر نہیں سمجھتے عموماً محنت سے جی چُراتے اور طرح طرح کے حیلے بہانے کیا کرتے ہیں۔ اِس لئے اُستاد کا فرض ہے کہ اُن کو محنت کرنے کی عادت ڈالوائے۔

۸۷۔ **محنت کے سکھانے کا طریق** بچّوں کو محنت کا خوگر بنانے کے لئے مفصلہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

(۱) سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اُستاد خود جفاکش ہو اور خوشدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے کام میں محنت کرے اُس کو دیکھ کر شاگرد بھی محنت کرنی سیکھیں گے۔

(۲) بچّوں میں قدرتی طور پر کچھ نہ کچھ کام کرنے کا شوق ہُوا کرتا ہے۔ اِسی شوق کو مُستحکم کرکے اُن کو باقاعدہ محنت کا عادی بنا سکتے ہیں۔ اِس لِئے اُستاد کو چاہیئے کہ طلبہ سے جو کام لے وہ دلچسپ ہو۔ اُن کی سمجھ سے باہر نہ ہو۔ اور اندازہ معیّنہ سے زیادہ نہو۔

(۳) اگر اِس پر بھی طلبہ محنت سے جی چُرائیں تو اُس وقت اُستاد کو اپنے رعب داب اور دباؤ سے کام لینا چاہیئے۔

(۴) محنت باقاعدہ اور استقلال کے ساتھ لینی چاہیئے اور بہ تدریج اُس میں ترقی ہونی چاہیئے۔

(۵) بڑی عمر کے سمجھ دار لڑکوں کو محنت کے فائدے

بھی سمجھانے چاہئیں۔ کاہلی۔ بے قاعدگی اور بے استقلالی
یہ تین عادتیں ہیں جن سے محنت میں فتور واقع ہوتا ہے۔
اُستاد کا فرض ہے کہ اِن عیبوں کے دور کرنے کے لئے پُوری
کوشش کرے +

۸۸۔ کاہلی (۱) کاہلی اُستاد کو دو قسم کے سُست لڑکوں
سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک وہ جو بالطبع کاہل الوجود ہوں
یعنی نوشت و خواند کھیل کود وغیرہ کسی کام میں بھی محنت
کرنے کو اُن کا دِل نہ چاہے۔ دوسری قسم کے لڑکے وہ ہیں
جو بعض کاموں میں سُست اور بعض میں چالاک
ہوں مثلاً ایک مضمون میں مستعد اور دوسرے میں غیر مستعد
ہوں یا نوشت و خواند میں غافل اور کھیل کود میں ہوشیار
ہوں +

پہلی قسم کی کاہلی عموماً کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتی
ہے اس کا علاج زیادہ تر بچّوں کے والدین یا سرپرستوں
کے ہاتھ میں ہے۔ مگر مدرسہ میں بھی اِس عیب کو دور کرنے
کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اُستاد کو چاہئے کہ ایسے
لڑکوں کو جرأت دلائے اول صرف کھیل کی طرف رغبت
دلائے پھر آہستہ آہستہ اُن سے نوشت و خواند کا کام لے
یہاں تک کہ اُن کو محنت کرنے کی ~~اجازت دیجائے~~ عادت ہوجائے +

دوسری قسم کی کاہلی اکثر لڑکوں میں کم و بیش پائی جاتی
ہے۔ اس کا کچھ مُضایقہ نہیں۔ کیونکہ اِس سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ وہ بالطبع سُست نہیں ہے۔ اِس کاہلی کو ترک کرانے کے لئے اُستاد کو ایسے وسائل کام میں لانے چاہئیں جن سے لڑکوں کو اُس کام کا شوق پیدا ہو جائے جس کی طرف اُن کو رغبت نہیں ہے +

۸۹۔ بے قاعدگی (۲) **بے قاعدگی** اِس عیب کو دور کرنے کے لیئے ذیل کے طریقے استعمال کرنے چاہئیں +

(الف) **پابندی** یعنی ہر ایک کام کے لئے ایک وقت معین کرنا اور اُسی وقت پر اُس کام کو پورا کرنا +

(ب) **ترتیب** یعنی ہر چیز کے رکھنے کے لئے ایک خاص جگہ مقرر کرنا اور اُسی جگہ اُس کو رکھنا +

(ج) کام کے پورا کرنے کا ایسا **انتظام** کرنا کہ اُس کا کوئی حصہ رہ نہ جائے جو حصہ زیادہ ضروری ہے اُس پر زیادہ۔ اور جو کم ضروری ہے اُس پر کم توجہ کی جائے۔

(د) **باقاعدہ کام کرنے کے فوائد** طلبہ کو ذہن نشین کرائے جائیں۔ اُس سے محنت اور وقت کی بچت ہوتی ہے تھوڑے وقت میں بہت سا کام کر سکتے ہیں وغیرہ +

۹۰۔ بے استقلالی (۳) **بے استقلالی** یعنی کسی کام کو دل لگا کر اور باقاعدہ طور پر انجام نہ دینا۔ جس شخص میں استقلال نہیں ہوتا اُس کے کام ناقص اور ادھورے رہا کرتے ہیں۔ کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ **استقلال کی قوت بڑی عمر میں پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی طبیعت**

میں استقلال نہیں ہوتا۔ اس لئے اُن کو مجبور نہیں کرنا چاہئے
اس کے علاوہ استقلال کی تربیت گھر میں اچھی طرح ہو سکتی
ہے کیونکہ وہاں بچہّ ہمیشہ والدین کے زیر نظر رہتا ہے۔ مدرسہ
میں بھی ایک حد تک اِس فضیلت کی تعلیم دی جا سکتی ہے
اس لئے اُستاد کو مفصلہ ذیل وسائل استعمال کرنے چاہئیں۔
(۱) طلبہ کو کچھ کام دیا جائے اور اُن سے ایک معیّن وقت
میں اُس کو پورا کرایا جائے +
(۲) اگر کسی طالب علم میں کوئی بُری خصلت پائی جائے تو اُس
کو صاف کہ دو کہ اِس عیب کو ترک کرو۔ اور اِس بات
کی پوری نگرانی رکھو کہ اُس نے اُس کو ترک کردیا ہے
یا نہیں +
(۳) ارادہ صرف ایسے کاموں کا کرانا چاہیئے جو ممکن العمل
ہوں اور جو دقتیں کسی کام کے کرنے میں پیش آنے والی
ہیں اُن کو پہلے ہی سے سوچ لینا ضروری ہے۔
(۴) کسی کام کے پُورا کرنے کا مُصمم ارادہ کر لینا۔ اور بعد
میں اُس کو چھوڑ دینا سخت مُضر ہے۔ اِس سے قوت ارادہ
کو ضعف پہنچتا ہے۔ اور طبیعت کمزور ہو جاتی ہے۔ اِس لئے
جس کام کا ارادہ کیا جائے اُس کو پورا کراکر چھوڑو۔

ششم۔ اطاعت و آزادی

۹۱۔ اطاعت تربیت کا ابتدائی زینہ ہے۔ تربیت کا پہلا زینہ

صرف اطاعت ہے۔ یعنی بچّوں کی ابتدائی تربیت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ اُن کو اپنے والدین اور مربیوں کے احکام کی تعمیل کرنا سکھایا جائے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ بچّوں میں نیکی بدی کی تمیز نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ اپنی طبیعت پر قابو رکھ سکتے ہیں۔ پس سوائے اِس کے چارہ نہیں کہ والدین یا معلم اُن کو نیک کاموں کی ہدایت کریں اور بُری باتوں سے روکیں اور بچّے اُن کی اطاعت کریں ٭

اکثر والدین بچّوں کی تربیت میں بے جا محبّت اور ناز برداری کی وجہ سے سخت غلطی کرتے ہیں کہ اُن کی ہر ایک خواہش کو خواہ وُہ واجب ہو خواہ ناواجب پورا کر دیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ بچّے کی ذرا ذرا سی خواہشوں کو روکنا اُس پر سختی کرنا ہے۔ جب بڑا ہوگا تو اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور نیکی و بدی میں تمیز کرنا خود سیکھ جائے گا۔ مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ اِس سے دو نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل تو بچپن کی باتیں طبیعت میں مستحکم ہو کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں اور بڑے ہو کر اُن کو چھوڑنا ناگوار اور سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ بڑی عمر میں انسان کی طبیعت آزادی پسند ہو جاتی ہے۔ اُس وقت آزادی کے خیال کو روکنا بہت مشکل ہے۔ اور بچّہ یہ سمجھے گا کہ مجھپر ظلم اور جبر کیا جاتا ہے۔

۹۲۔ اطاعت سکھانے میں دقتیں	بچّوں کو اطاعت سکھانے

میں اُن کی طبیعت کی دو خصلتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے
اوّل بے استقلالی - دوم ضد اور سرکشی +

چھوٹے بچّوں میں بے استقلالی کا پایا جانا عیب میں داخل نہیں ہے - کیونکہ جوں جوں عمر بڑھتی ہے - استقلال کی عادت رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے البتہ اگر بڑی عمر کے بچّوں میں استقلال نہ ہو تو عیب کی بات ہے - طلبہ کو استقلال سکھانے کے لیئے جو ہدایتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اُن پر عمل کرنا چاہیئے (دیکھو دفعہ ۹۰) ضد اور سرکشی کا چھوٹے بچوں میں پایا جانا عیب میں داخل ہے - اُس کو فوراً روکنا چاہیئے +

۹۳ - آزادی بڑی عمر کے بچّوں سے اِس بات کی توقع رکھنا کہ جو کچھ ہم کہیں وہ اُس کو آنکھیں بند کرکے تسلیم کرلیں - سخت غلطی ہے - جوں جوں عمر اور عقل بڑھتی ہے ہر شخص کی طبیعت میں قدرتی طور پر آزادی کا خیال پیدا ہوتا جاتا ہے - اِس لئے اُستاد کا فرض ہے کہ بڑی عمر کے طلبہ کو مناسب حد تک آزادی دے اور رفتہ رفتہ اُن کی آزادی کے دائرے کو وسیع کرتا جائے - اِس کا طریقہ یہ ہے کہ :-

(۱) طلبہ کو ہر ایک کام کا حکم نہ دو بات بات پر روک ٹوک نہ کرو - اور اُن کے چال چلن کے ہر وقت نگہبان نہ بنے رہو +

(۲) ابتدائی تربیت کی وجہ سے جن کاموں کی بھلائی یا بُرائی کو وہ خود سمجھنے لگے ہیں اُن کے کرنے یا نہ کرنے پر بار بار زور نہ دو بلکہ اِس بات کو اُن کی راے پر چھوڑ دو۔

(۳) طلبہ پر اعتماد کرو اور ذمہ داری کے چھوٹے چھوٹے کام اُن کے سپرد کرو۔ اور اُن کو سمجھا دو کہ اب تم بڑے ہوگئے ہو۔ ہر ایک کام کو سوچ سمجھ کر کرو۔ اگر اُستاد اِس اُصول کو مدِّ نظر نہ رکھے اور بڑی عمر کے بچوں پر بھی چھوٹے بچّوں کی طرح دباؤ ڈالنا چاہے تو اُس سے سخت مُضر نتائج پیدا ہوں گے۔ کیونکہ ایسی حالت میں بچّہ اُستاد کے دباؤ کو نہیں مانے گا۔ اور بتقاضائے عمر اُس کی اطاعت سے نکلنا چاہے تو دونو کے دلوں میں ضد اور مخالفت پیدا ہو جائے گی۔ اگر بالفرض تشدد اور سختی سے اُستاد نے اُس کو دبا لیا تو بھی اُس کی ہمّت ٹوٹ جائے گی اور اُستاد کی طرف سے اُس کا دل پھٹ جائے گا۔ تعلیم و تربیت کی ایک ضروری شرط (یعنی اُستاد اور شاگرد کا باہم یکدلی و یکجہتی سے کام کرنا) فوت ہو جائے گی۔ جس سے نہایت خوفناک نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

ہفتم۔ اعتدال

۹۴۔ اعتدال اور اُس کی عظمت	اعتدال کے معنے ہیں

نفس انسانی کے تمام جذبات اور خواہشوں کو اس طرح قابو میں رکھنا کہ وہ حد مناسب سے تجاوز نہ کرنے پائیں۔

حکیم ارسطا طالیس کا قول ہے کہ "اگر فضائل اخلاق کے دس حصّے کئے جائیں تو اُن میں سے ۹ حصّے عدالت (اعتدال) کے ہیں۔ باقی ماندہ ایک حصّے میں دیگر فضائل ہیں بلکہ عدالت ہی تمام فضائل کا مجموعہ ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ یہہ فضیلت جُملہ فضائل اخلاق پر مشتمل ہے اور تمام فضیلتیں اِس میں داخل ہیں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر فضیلت کے واسطے ایک حد معیّن ہے اور جس وقت وہ فضیلت حد مقررہ سے تجاوز کرکے افراط یا تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے اُس وقت اُس کا شُمار رذائل میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ خوبی عیب سمجھی جاتی ہے پس فضائل بمنزلہ اوساط کے ہیں۔ اور رذائل بمنزلہ اطراف کے ہر ایک معاملہ میں افراط و تفریط دونو سے بچکر وسط (حد اعتدال) پر قایم رہنا ہی نیکی ہے +

۹۵ - خواہش اور اشتہا علم اخلاق کے عالموں نے انسانی طبیعت کے تمام جذبات کو جو پورا ہونا چاہیے ہیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ خواہش اور اشتہا۔

(۱) خواہش۔ طبیعت انسانی کا وہ جذبہ ہے جس کے پورا ہونے سے روح کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً اقتدار یا امتیاز حاصل کرنے کی خواہش آزادی کی خواہش کسی

شے کو اپنے قبضہ میں لانے کی خواہش ۔

(۲) اشتہا۔ یہ وہ جذبہ ہے جس کے پورا ہونے سے جسم کو آرام ملتا ہے۔ مثلاً بھوک۔ پیاس۔ نیند ۔

خواہش اور اشتہا میں کئی اعتبارات سے فرق ہے ۔

خواہشیں۔ مستعدی کے ساتھ اپنا عمل کرتی ہیں۔ اشتہائیں کبھی موجود ہوتی ہیں اور کبھی معدوم ہو جاتی ہیں۔ خواہشیں رفتہ رفتہ بڑھتی رہتی ہیں۔ اور کبھی انتہا کو نہیں پہنچتیں۔ اشتہائیں محدود ہوتی ہیں اور پوری ہو جاتی ہیں۔ خواہشیں مختلف شخصوں میں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بلکہ ایک ہی شخص کی طبیعت میں بعض خواہشیں زیادہ پُرزور ہوتی ہیں اور بعض خواہشیں بالکل نہیں ہوتیں۔ اشتہائیں ہر شخص میں یکساں زور کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ خواہشوں کے پورا ہونے سے انسانی خصلت کمال کو پہنچتی ہے اشتہاؤں کا پورا ہونا بقاے زندگی کے لئے ضروری ہے ۔

خواہشیں اور اشتہائیں بذات خود نہ اچھی ہیں نہ بری جہاں خداے تعالیٰ نے ہم کو اور قوتیں دی ہیں وہاں یہ قوتیں بھی دی ہیں۔ اخلاقی رنگ اُن میں اُس وقت نمایاں ہوتا ہے۔ جب ہم اُن کا استعمال کرتے ہیں اگر ان کا اچھا استعمال کیا جائے تو وہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور برا استعمال کیا جائے تو بدی کے رستہ پر لے جاتی ہیں اخلاقی تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ انسانی خواہشوں اور

کو بالکل روک دیا جائے۔ اور نہ یہ غرض ہے کہ اُن کو بے روک ٹوک مطلق العنان چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اُس کا منشا یہ ہے کہ اُن کو قواعد وضوابط کا پابند کرکے شاہ راہ اعتدال پر قایم رکھا جائے۔ اِس بارہ میں بطور قاعدہ کُلیہ کے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ اگر ہماری خواہشوں کی تعداد بڑھ جائے تو چنداں مُضایقہ نہیں۔ مگر اشتہاؤں کی تعداد کا بڑھنا ہمیشہ مُضر ہوتا ہے۔ اشتہائیں جس قدر مغلوب رہیں اور مقررہ حد سے متجاوز نہ ہوں اُسی قدر بہتر ہے۔ اگر ہماری عقل پر اشتہائیں غالب رہیں تو ہمارے ملکوتی صفات زائل ہو جائیں گے۔ اور ہمارا درجہ حیوانات سے بھی بد تر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حیوانات تو عقل نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہیں۔ اور ہم با وجود عقل کے اپنی اشتہاؤں کو مغلوب نہیں کرتے اور حیوانیت کی طرف مائل ہوتے ہیں :

آدمی زادہ طرفہ معجونے ست
از فرشتہ سرشتہ و ز حیوان
گر کند میل ایں شود کم ازیں
ور کند قصدِ آں شود بہ ازاں

فصل ہفتم۔ رذائل مزاج

۹۶۔ رذائل مزاج پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ضبط یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اخلاقی تربیت کے لیئے کس قدر ضروری

ہے۔ اب ہم مزاج کے اُن بڑے بڑے عیبوں کو بیان کرتے ہیں۔ جو فضیلت ضبط کی ضد ہیں۔ یہ چار عیب ہیں:۔

(۱) **ضد** یا سرکشی۔ یعنی اپنی بات پر اڑے رہنا اور اُستاد کا حکم نہ ماننا ✣

(۲) **شکایت**

(۳) **زود رنجی** یا تُنک مزاجی ✣

(۴) **غضب** ✣

اِن عیبوں کے **اسباب** اور **علاج** بھی ساتھ ساتھ بیان کئے جائیں گے ✣

۹۷۔ ضد **ضد**۔ بچے کا ضدی ہونا ایسا عیب ہے۔ جس سے اُس کے والدین اور اُستاد کو بہت تکلیف ہوتی ہے چنانچہ "**بال ہٹ**" کا لفظ ضرب المثل ہو گیا ہے۔ یہ عیب زیادہ تر **ابتدائی** بد **تربیتی** کا نتیجہ ہے۔ اور والدین کی بیجا ناز برداری کی وجہ سے بچوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس عیب کو دور کرنے کے لئے اُستاد کو چاہیئے کہ زیادہ **تشدد** اور **سخت گیری** نہ کرے۔ بلکہ **محبّت** و **مہربانی** سے بتدریج اُس کو دور کرے ✣

بعض صورتوں میں مدرسہ کی **بد نظمی** کی وجہ سے طلبہ کی طبیعت میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اِس کا علاج صرف یہی ہے کہ اُستاد مدرسہ کا نظم و نسق باقاعدہ رکھے۔ **انصاف** اور **مہربانی** سے برتاؤ کرے۔ اگر اُستاد

اپنے شاگردوں پر سختی اور تشدد کو روا رکھے گا۔ یا سب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کرے گا تو اُن کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہو جائے گا کہ اُستاد ہمارے فائدے اور اصلاح کی غرض سے نہیں بلکہ حکومت جتانے یا اپنا دل خوش کرنے کی غرض سے ہم کو سزا دیتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ضد اور مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور اُستاد کا حکم نہیں مانیں گے ؛

اِس کے علاوہ طبیعت کی کمزوری یا بیماری بھی ضد کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں بھی سخت گیری سخت غلطی ہے۔ بلکہ ہمدردی اور مہربانی سے آہستہ آہستہ اِس عیب کو دور کرنا چاہئے ؛

ضد کے جو اسباب اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اُن کے علاوہ دو سبب اور بھی ہیں۔ جو خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔ یعنے شرارت اور خباثتِ طبع۔ ایسی ضد کے دفعیہ کے لئے اُستاد کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے ؛

جن بچّوں کی طبیعت میں شرارت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے ساتھیوں میں نام پانے کی غرض سے ضد اور سرکشی کیا کرتے ہیں۔ اُن کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ہماری اِس جُرأت اور استقلال کی وجہ سے سب لڑکے ہماری عزت کریں گے اور ہم تمام مدرسہ میں سرکردہ اور سر برآوردہ ہو جائیں گے اِس کا علاج یہی ہے کہ اصلی سبب کو رفع کیا جائے

یعنی شریر لڑکے کی عزت وعظمت کا خیال دوسرے لڑکوں کے دلوں سے نکال دینا چاہیئے۔ اگر اُستاد نے لڑکوں کی ہمدردی کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور سرکش لڑکے کی طرف سے اُن کے دلوں کو پھیر دیا تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے شریر لڑکے کو زیر کر لیا۔ اگر پھر بھی وہ اپنی سرکشی سے پیش آئے تو اُس کو مناسب سزا دینے کا رستہ صاف ہے +

اگر ضد و سرکشی **خباثت طبع** کا نتیجہ ہو۔ اور جان بوجھکر کوئی لڑکا اخلاقی اُصول کی خلاف ورزی کرے تو اس کا **علاج** یہ ہے کہ **فوراً** اُس کو حکم ماننے پر مجبور کیا جائے۔ اور سزا دیجائے۔ اگر وہ اُستاد کے دباؤ کو نہ مانے اور مقابلہ و سرکشی سے پیش آئے تو اُس کو **مدرسہ سے نکال دینا چاہیئے** تاکہ دوسروں پر اُس کا بُرا اثر نہ پڑے +

۸۹۔ شکایت (۲) **شکایت**۔ یہ عیب بھی عموماً **ابتدائی بدتربیتی سے** پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بچے بہت کم ہوتے ہیں جن کے مزاج میں قدرتی طور پر یہ عیب پایا جاتا ہو۔ اگر بچوں کی طبیعت میں ایک قسم کی **غیرت** ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ چھوٹی موٹی تکلیفوں کو سہ لیتے ہیں۔ بلکہ اس عادت پر فخر کیا کرتے ہیں۔ آپس کی لڑائی جھگڑوں میں چوٹ لگ جائے تو روتے نہیں۔ مگر جب بچوں کے والدین یا اُستاد ذرا ذراسی تکلیف اور چوٹ میں اُن کے ساتھ **ہمدردی** ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کی **مزاج پرسی** کرتے ہیں۔ اُس [illegible]

بھی بات بات میں شکایت کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ جوانوں کا سا صبر و استقلال اور دلیری اُن میں پیدا ہو بڑے ہو کر بھی ننھے بچے ہی بنے رہتے ہیں +

اِس عیب کو دور کرنے کے لئے اُستاد کو یہ تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں +

(۱) بچوں میں جو غیرت و حمیت قدرتی طور پر پائی جاتی ہے۔ اُس کو اُن کی طبیعت میں مستحکم کیا جائے +

(۲) یہ بات بچوں کے ذہن نشین کردینی چاہئے کہ دنیا کی معمولی تکالیف و مصائب کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرنا جوانمردی اور عزت کی بات ہے +

(۳) بچوں کی خیالی اور مصنوعی مصائب یا چھوٹے موٹے دُکھ درد کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ اُستاد کو بچوں کا درد شریک اور حامی اُسی وقت ہونا چاہئے۔ جبکہ اُن کی تکلیف واقعی ہو اور شکایت کی وجہ معقول ہو +

(۴) سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ اُستاد خود مستقل مزاج اور متحمل ہو تاکہ اُس کی پیروی سے بچے بھی صبر و تحمل کا سبق حاصل کریں +

(۵) اُستاد وقتاً فوقتاً اپنی یا دوسرے لڑکوں کی نظیر دے کر جو تکلیف برداشت کرنے کے عادی ہوں شکایت کرنیوالے بچوں کو ہمت اور جرأت دلائے +

۹۹ - زود رنجی

(۳) **زود رنجی** - جس شخص کا مزاج چڑچڑا ہوتا ہے۔ اُس کی طبیعت میں مہربانی نہیں رہتی - اِس خصلت سے وہ خود بھی ہر وقت پریشان اور بلا میں مبتلا رہتا ہے اور دوسرے آدمی بھی اُس سے رنجیدہ رہتے ہیں +

یہ عیب بھی ابتدائی بد تربیتی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے - اِس کی ذمہ داری بچوں کے والدین پر خاص کر عاید ہوتی ہے اور وہ ہی اس عیب کو بآسانی دور کر سکتے ہیں - اُستاد کو اس کے دور کرنے میں بہت دقت پیش آتی ہے - کیونکہ زود رنجی بچوں کے آپس کے برتاؤ میں ظاہر ہوتی ہے - اُستاد کے سامنے بہت کم ظاہر ہوتی ہے - اس لئے ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں اُستاد کو اُس کا علم نہ ہو +

اُستاد اس عیب کو دُور کرنے کے لئے یہ علاج کر سکتا ہے:-

(۱) عموماً ہر ایک موقع پر اور خاص کر اُن بچوں کے ساتھ جن کی طبیعت زود رنج واقع ہوئی ہے مہربانی اور شگفتہ مزاجی کے ساتھ برتاؤ کرے +

(۲) طلبہ پر اپنا رعب داب اس طرح قائم رکھے کہ وہ ایک دوسرے کو دق نہ کریں اور غصّہ نہ دلائیں -

(۳) بچّوں کا آپس کا میل جول اور ساتھ مل کر کھیلنا بھی اُن کی باہمی محبّت بڑھاتا ہے - اِس لئے یہ تدبیر بھی زود رنجی کی عادت کو دفع کرنے کے لئے موثر ثابت ہوگی +

(۴) جن بچّوں کی طبیعت میں زود رنجی کی عادت خوب

مستحکم ہو گئی ہو۔ ممکن ہے کہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ
اُن کا میل جول اُلٹا مُضر ثابت ہو اور اُن کے مزاج کا چڑ
چڑا پن کھیل کود کے وقت میں بھی اپنا رنگ دکھائے۔ ایسے
لڑکوں کا علاج یہ ہے کہ اُن کو کچھ مدت تک کھیل میں
شامل ہونے سے روک دیا جائے۔ اور اُن کو صاف طور
پر بتا دیا جائے کہ تمہاری بد مزاجی سے دوسروں کو تکلیف ہوتی
ہے اِس لئے تم کو اُن کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں دیجا سکتی
اِس تدبیر سے رفتہ رفتہ اُن کے مزاج کی اصلاح ہو سکتی ہے +

۱۰۰۔ غضب

(۴) غضب۔ اکثر صاف دلی۔ وقار۔ یا تمکنت
کے خیال سے پیدا ہوتا ہے۔ بچّوں کا غُصّہ اکثر اپنے ساتھیوں
کے ساتھ ظاہر ہُوا کرتا ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ وہ اُستاد کے
مُقابلہ میں اپنا غُصّہ ظاہر کریں +

حالت غضب میں نہ تو بزرگوں کا پاس ادب رہتا ہے۔
اور نہ ہمعروں اور چھوٹوں سے مہربانی کا خیال رہتا ہے۔
اُستاد کو اسبات کی احتیاط رکھنی لازم ہے کہ ایسا نہ ہو
غضب کو دور کرتے وقت وقار اور خود داری جیسی شریف
خصلت ہی کو بچّے کی طبیعت سے دور کردے۔

غضب کا علاج یہ ہے

(۱) چونکہ غضب کی وجہ سے بزرگوں کا ادب اور اپنے ہم عمروں
اور چھوٹوں سے مہربانی کا خیال نہیں رہتا ہے۔ اس لئے۔
ادب اور مہربانی کی تعلیم قوت غضبی کو زیر کرنے کے لئے

نہایت مُفید ہے ٭

(۲) غضب کو دور کرنے کے لئے سختی اور تشدد کسی حالت میں بھی جایز نہیں ہے۔ اس سے تو غُصّہ اور زیادہ بھڑکتا ہے۔ بلکہ اِس کا علاج یہ ہے کہ جس شے کے لئے بچّہ غیظ و غضب میں آئے اُستاد وہ شے اُس کو حاصل نہ ہونے دے اور جب بچّے کا غُصّہ دھیما ہو جائے اُس وقت نرمی سے فہمایش کرکے غضب کے نقصان اور ضبط کی خوبیاں اُس کے ذہن نشین کردے ٭

(۳) بعض اوقات کسی بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں بلکہ بمقتضائے فطرت انسانی یکایک کسی بات پر غُصّہ آجاتا ہے۔ اور بعد میں بچّہ اپنی اس حرکت پر نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اُستاد کا اتنا کہہ دینا کہ "مجھے اُمید ہے کہ آیندہ تم ایسی حرکت نہ کروگے"۔ بچّے کی اصلاح کیواسطے کافی ہے۔ اور سختی کرنی سخت مُضر ہے ٭

حصّۂ اوّل تمام ہوا ٭

منتخب مضامین خواجہ غلام الثقلین

(تعداد صفحات ۱۳۰)۔ اس مجموعہ میں ہیں (قیمت درجہ اول ۸ر درجہ دوم ۶ر)

۱۔ قوموں کے ضعف عقل کی علامات اور زوال کے اسباب۔
۲۔ قومی انجمنوں کے فرائض۔
۳۔ ہمکو کیا کرنا چاہئے۔
۴۔ قومی ہمدردی
۵۔ تقریریں بابت اصلاح تمدن و اصلاح رسوم مدراس کانفرنس میں اور کھلا خط بنام نواب محسن الملک بہادر۔
۶۔ عصر جدید کے مقاصد
۷۔ صدائے صحرا۔

دستور المعلمین

حصۂ سوم

فن تعلیم

بنابر

افادۂ معلمان و امیدواران امتحانِ نارمل سکول و

ٹریننگ کالج و دیگر شائقین

مؤلفہ

مولوی خواجہ غلام الحسنین ایم۔ ایف۔ ایچ۔ بی۔ یو

(پنجاب یونیورسٹی) سند یافتہ ٹریننگ کالج لاہور

سنہ ۱۹۰۱ء

مطبع افتخار دہلی میں منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے چھپی

یہ کتاب باادب تمام

عالی جناب مُعلی لقاب نواب

صفدر جنگ افتخار الدّولہ فخر الملک بہادر

معین المہام عدالت و تعلیمات و اُمُور

عامّہ سرکار عالی کے

نام گرامی پر باجازت جناب ممدوح

معنون کی گئی۔
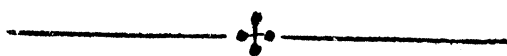
دیباچہ

زلافِ حمد و نعت اولیٰ ست بر خاکِ ادب خفتن
سجودے میتواں کردن درودے میتواں گفتن

علم کے فوائد اظہر من الشمس ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ زراعت۔ تجارت صنعت و حرفت کے لیئے علم کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ ادنٰے سے ادنٰے کام بھی علم کے بغیر نہیں چل سکتے۔ دانایان فرنگ نے جو کچھ ترقی کی اور کر رہے ہیں سب علم کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ حصول علم تعلیم پر موقوف ہے اور تعلیم جب تک باقاعدہ نہو اُس سے عملی فائدہ بہت ہی کم حاصل ہو سکتا ہے +

قدیم زمانہ کے لوگ تعلیم کے کام کو ایک آسان کام سمجھتے تھے۔ اُنکا خیال تھا۔ کہ ہر شخص جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتا ہے معلمی کر سکتا ہے۔ مگر زمانۂ حال میں یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے۔ اِس میں کلام نہیں کہ بعض آدمی صرف ذاتی تجربہ سے طریقۂ تعلیم میں پوری لیاقت بہم پہنچا کر لائق اُستاد بن گئے ہیں۔ مگر اُنکو عرصۂ دراز تک اپنے شاگردوں کا بہت کچھ نقصان کرنے کے بعد یہ بات حاصل ہوئی ہے۔ اگر وہ پہلے ہی اُصول تعلیم کا مطالعہ کرتے۔ تو بہت سی غلطیوں سے بچ جاتے۔ اور اپنے کام میں زیادہ تر کامیاب ہوتے +

معمولی پیشوں نجاری۔ آہنگری وغیرہ کے سیکھنے میں بھی کئی سال محنت اُٹھانی پڑتی ہے پس کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ معلمی جیسے اہم کام میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے کسی تعلیم کی ضرورت نہو۔ خصوصاً جبکہ اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ کہ بچوں کی جسمانی عقلی اور اخلاقی تربیت کرنی اور اُنکی فطرت کو

حدِّ اعتدال پر قائم رکھنا معلم ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور آئندہ نسل کی قسمت کا فیصلہ بہت کچھ اُسی کے قبضہ میں ہے +

اِن امور کا لحاظ کر کے گورنمنٹ نے معلموں کی تعلیم کے لئے نارمل سکول اور ٹریننگ کالج جاری کئے ہیں۔ جہاں علاوہ تعلیم علوم مروجہ کے طریقہ تعلیم عملی طور پر سکھایا جاتا ہے۔ اور آجکل معلم کے لئے سند معلمی ایسی ہی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ جیسے ڈاکٹری یا وکالت کا ڈپلوما ڈاکٹر یا وکیل کے واسطے۔ مدارس المعلمین کے اجرا سے عام مدرسوں میں طریقہ تعلیم کی بہت کچھ ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ اب تک کوئی کتاب اردو زبان میں ایسی تیار نہیں ہوئی جو اصول تربیت و تعلیم کی جامع ہو۔ ۱۸۶۶ء میں ایک کتاب موسوم بہ اشارات التعلیم تالیف ہوئی تھی۔ وہی آجتک پنجاب کے نارمل سکولوں اور ٹریننگ کالج کی سینیر ورنیکیولر کلاس میں مروج چلی آتی ہے۔ شاید یہ کتاب ابتدا میں مکمل سمجھی جاتی ہو۔ مگر موجودہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں کسی طرح مکتفی نہیں ہو سکتی۔ اِس کتاب کا نہ صرف مضمون غیر مکمل ہے بلکہ اُسکی ترتیب اور بیان بھی بےسقم نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نارمل سکولوں کے ہڈ ماسٹروں کو انگریزی کی مختلف کتابوں سے مضامین اخذ کرنے اور طلبہ کو نوٹ لکھانے میں بڑی دقت اُٹھانی پڑتی ہے +

میری غرض اس کتاب کے لکھنے سے ایک ایسی ضرورت کا پورا کرنا ہے جو مدت سے چلی آتی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب معلموں کو ایک دستور العمل کا کام دیگی۔ اور اُمیدواران اِمتحان سندِ معلمی کو امتحان میں کامیاب ہونے کے واسطے پوری رہنما ہوگی۔ اور اُنکو کسی دوسری کتاب کے مطالعہ کرنے۔ یا بطور خود نوٹ لکھنے اور خلاصہ بنانے کی ضرورت نہیں رہیگی۔ اِس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے اِس میں بہت سی خصوصیتیں رکھی گئی ہیں جو شاید بہیئت مجموعی اس علم کی

کسی اُردو یا انگریزی کی کتاب میں نہیں پائی جائینگی ایئں سے بعض کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے +

(۱) مضامین کو **مختصر** اور **مطلب خیز** عبارت میں ادا کیا ہے - تشریح کے موقع پر **تشریح** اور مثال کے موقع پر **مثال** دیگئی ہے - اور جہاں ضرورت تھی وہاں **نوٹ** دیدیا ہے - مگر اختصار کو ہر جگہ مدنظر رکھا ہے +

(۲) کتاب کو **دفعات** میں تقسیم کرکے ہر دفعہ پر نمبر لگا دیے ہیں - اور اُس کا **عنوان** جلی قلم سے لکھدیا ہے - تاکہ ہر ایک بات علٰحدہ علٰحدہ سمجھ میں آجائے اور مضمون ماقبل و مابعد کا **حوالہ** دینے میں سہولت ہو +

(۳) مضمون کی **تحلیل** کتاب کی **ترتیب** اور **تحریر** کا ڈھنگ ایسا اختیار کیا گیا ہے - کہ ایک نظر ڈالنے سے کل مضمون کا خلاصہ فوراً ذہن میں آجائے - اور آسانی کے ساتھ یاد ہوسکے - نیز موقع بموقع ہر دفعہ کے **عنوان** کی تقسیم در تقسیم کرکے نمبر ۱ و ۲ و ۳ وغیرہ لگا دیے ہیں - اور جن الفاظ پر مطلب کا ذہن نشین کرنا خاصکر منحصر ہے - اُنکو جلی قلم سے لکھدیا ہے - اِن لفظوں پر توجہ کرنے سے طلبہ تمام دفعہ کا مطلب اپنی عبارت میں ادا کر سکتے ہیں +

(۴) مختلف قسم کے سبقوں پر **نوٹ** یا **اشارے** نہایت واضح طور پر لکھے گئے ہیں - جن سے معلموں کو ہر قسم کے سبق تیار کرنے اور نوٹ لکھنے کا ڈھنگ بخوبی آسکتا ہے +

(۵) مطالب کو صاف اور آسان کرنے کے علاوہ عبارت کو **سلیس - بامحاورہ** اور **مربوط** بنانے میں حتی الامکان پوری پوری کوشش کی گئی ہے +

(۶) مقررہ اصطلاحوں کے سوا بعض صورتوں میں **نئی اصطلاحیں** اپنی طرف سے تجویز کی گئی ہیں - اور چونکہ اُردو زبان کو ابتک ایک علمی زبان کا درجہ

حاصل نہیں ہوا ہے۔ اسلئے اصطلاحات کے واسطے موزوں الفاظ تلاش کرنے میں راقم کو کچھ کم دقت اُٹھانی نہیں پڑی +

اس کتاب کے **تین حصے** کئے گئے ہیں۔ **حصہ اول** میں **تربیت** کے اُصول اور اغراض۔ جہاں تک کہ **سائی کالوجی** (فلسفۂ عقلیہ) سے اُنکا تعلق ہے بیان کئے گئے ہیں۔ **حصۂ دوم** میں **نظم و نسق** مدرسہ سے بحث کی گئی ہے۔ **حصہ سوم** میں **فن تعلیم** اور خاص خاص مضامین کے **طریقہ تعلیم** کا ذکر ہے بالفعل حصۂ سوم کا **پہلا جزو** جس میں **فن تعلیم** کا پورا بیان ہے شائع کیا جاتا ہے سب سے پہلے اس کا طبع کرانا اسوجہ سے مناسب سمجھا گیا ہے۔ کہ یہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور فی الحقیقت طریقۂ تعلیم کا **لب لباب** ہے۔ اگر میری محنت کی کچھ قدر کی گئی تو عنقریب باقیماندہ حصے بھی چھپوائے جائینگے +

یہ کتاب۔ اگر میری رائے غلط نہو۔ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہوگی۔ مگر یہاں اس امر کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ میرے شفیق اُستاد جناب منشی سورج نراین صاحب دہلوی متخلص بہ **مہر** نے ایک کتاب **تعلیم مہر** تصنیف کی تھی۔ جو معرض طبع میں نہیں آئی۔ صرف اُسکا **خلاصہ** چھپا ہے۔ جس میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ اسلئے وہ نارمل سکولوں کے ہڈماسٹروں یا ایسے شخصوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ جو اُصول تربیت و تعلیم سے بخوبی واقف ہوں۔ اور صرف مضامین کا اعادہ کرنا چاہتے ہوں۔ مدارس کے معلم یا عام شائقین اس خلاصہ سے جیسا کہ چاہیئے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اگر اصل کتاب **تعلیم مہر** چھپ جاتی۔ تو غالباً اُردو میں اس قسم کی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہ رہتی +

تعلیم و تربیت کے جو **اُصول** اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں میں نے

اپنی طرف سے ایجاد نہیں کئے - بلکہ یوروپ کے نامی گرامی علماء و حکماء کے تجربوں کو جو انگریزی کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہیں - اپنے طور پر ترتیب دیکر اپنی زبان میں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے - البتہ جو باتیں اپنے ذاتی تجربہ سے حاصل ہوئی ہیں - اُن کو بھی کہیں کہیں توضیحاً قلمبند کیا گیا ہے - اِس کتاب کے لکھتے وقت کئی عمدہ انگریزی کتابوں سے مضامین کے اخذ کرنے میں مدد لی گئی ہے - اور اُنکے علاوہ مضمون کی تحلیل میں مجھے اپنے لائق اُستاد کے خلاصہ تعلیم مہر سے خاصکر مدد ملی ہے - بلکہ حق یہ ہے کہ بعض موقعوں پر اس خلاصہ کے نوٹوں ہی کو پھیلا کر میں نے مسلسل مضمون بنا دیا ہے ۔

خاکسار

غلام حسنین

پانی پت - ۱۶ اپریل ۱۸۹۹ء

فہرست مضامین کتاب ہذا

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
باب اول - فن تعلیم	۶	فصل چہارم طرز تعلیم	۴۲
تمہید	۶	فصل پنجم - امتحان	۶۱
فصل اول مضمون سبق اور اُسکی ترتیب	۷	فصل ششم - تعلیم کا دل پر نقش کرنا	۶۵
فصل دوم سبق کی تشریح	۱۵	فصل ہفتم - صفات معلم	۷۰
فصل سوم سبق کی تیاری اور اشارے لکھنا	۲۰	خاتمہ	۷۹

حصّۂ سوم

باب اول فن تعلیم

تمہید

۱ - **تعریف فن تعلیم** - فن تعلیم میں وہ کل وسائل شامل ہیں جن سے معلّم اپنی جماعت کی توجّہ قائم رکھتا ہے - **توجّہ** کے یہ معنی ہیں کہ دل کو سب طرف سے ہٹا کر ایک طرف لگایا جائے + **کامل توجہ** یہ ہے کہ جماعت کے کل طلبہ تعلیم کے کل وقت میں استقلال کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہیں - یہ نہو کہ چُپ چاپ بیٹھے ہیں - اُستاد کی طرف آنکھیں لگی ہوئی ہیں - مگر دل کہیں اَور ہے +

۲ - **توجّہ کی ضرورت** - تعلیم کے لئے توجہ نہایت ضروری ہے - جہاں ناقص توجہ ہے وہاں ناقص تعلیم ہے - جہاں مطلق توجہ نہیں - وہاں مطلق تعلیم نہیں - ایک طالب علم کے توجہ نکرنے سے بھی اُستاد کی کسیقدر محنت ضائع ہوتی ہے - اسلئے اُسکو اس طرف سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں +

۳ - **وسائل توجّہ** - توجہ اصل میں ایک قسم کی عادت ہے - اور آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہے - دھمکی یا خوشامد سے توجہ حاصل نہیں ہوسکتی - سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کہ معلّم طلبہ کو برابر کام میں لگائے رکھے + حصول توجہ کی **شرائط** بعض **خارجی** ہیں اور بعض **داخلی** - **خارجی شرائط** حسب ذیل ہیں -

(۱) مدرسہ کا **مکان** کافی - فراخ اور کشادہ ہو -

(۲) اُس میں ہوا اور **روشنی** کا انتظام معقول ہو -

(۳) مدرسہ کے کام کو اتنا طول نہ دیا جائے کہ طلبہ دل برداشتہ ہو جائیں -

(۴) طلبہ ایک ہی جگہ اتنی دیر تک نہ بیٹھے رہیں کہ تھک جائیں +

(۵) اُنکی نشست ایسی ہو کہ سب پر پوری پوری نگرانی رہے +

جس مدرسہ میں اِن اُمور کا لحاظ نہ ہو گا - وہاں لائق سے لائق اُستاد بھی جماعت کی توجہ کو قائم نہیں رکھ سکیگا - لیکن اِن باتوں کا خاص فن تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں - ہم فرض کر لیتے ہیں کہ یہ سب شرطیں پوری کر دیگئی ہیں - پس اب ہم کو وہ داخلی شرائط بیان کرنی ہیں - جن کا تعلق طلبہ کی روح اور دل سے ہے - اِن میں اُمور مندرجہ ذیل داخل ہیں +

مضمون تعلیم - اُسکی ترتیب - اُسکے ادا کرنے کا طریقہ معلم کا طرز کلام - معلم کے ذاتی اطوار - یہ سب باتیں ہم بالتفصیل بیان کریں گے +

فصل اوّل - مضمون سبق اور اُسکی ترتیب

۴ - **کافی علم** - کسی مضمون کو اچھی طرح پڑھانے کے لئے - اُستاد کو اس سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے - اسکی ضرورت دو وجہ سے ہے - اول اُستاد سبق کا مطلب اچھی طرح بیان کر سکے - دوم درستی کے ساتھ اُس پر بحث کر سکے +

اگر معلم کا علم جزوی یا سرسری ہو گا تو اُس سے طرح طرح کے نقصان ہونگے مثلاً (۱) اُس کا بیان مبہم - غیر مکمل - غلط یا مشتبہ ہو گا +

(۲) طلبہ کے جوابات میں صحت اور غلطی کی تمیز نہیں کر سکیگا -

(۳) اُنکے ادھورے جوابوں کو پورا نہیں کر سکے گا -

(۴) اثنائے سبق میں کوئی دوسرا ذکر چھڑ جائیگا تو کچھ نہ بتا سکیگا -

یا تو بات کو ٹال دیگا - یا خود شک میں پڑ جائیگا - اور کچھ نہیں تو شاگردوں کو ڈانٹنے لگے گا +

پس معلم کا فرض ہے کہ جو کچھ پڑھائے اُس سے کہیں زیادہ جانتا ہو - یعنی مضامین تعلیم میں تبحّر ہونے کے علاوہ - اُن کے متعلقات کا علم بھی ضرور ہونا چاہیئے +

۵ - سبق میں کیا کیا باتیں بتانی چاہئیں؟ سبق پڑھانے کے یہ معنی نہیں سمجھنے چاہئیں کہ جو کچھ معلم کو آتا ہے - سب طلبہ کو بتا دیا جائے - اسلئے جو باتیں بتانے کی ہیں اُنکو نہایت احتیاط کے ساتھ **انتخاب** کر لینا چاہیئے - اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اِن چند باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے -

(۱) سبق میں وہی باتیں بتائی جائیں - جو طلبہ کی استعداد کے موافق اور کارآمد ہوں

(۲) پہلے **موٹی موٹی باتیں** بتاؤ - پھر **جزویات** کی تشریح کرو - مگر طلبہ کی استعداد اور وقت مقررہ کا بھی لحاظ رہے +

(۳) اگر بہت سی مفید باتیں ایک سبق میں بتانی مناسب ہوں تو اُس کے **حصے** کر لینے چاہئیں + یاد رہے کہ ایک ہی دفعہ بہت سا سبق پڑھا دینا بالکل اوقات کا ضائع کرنا ہے +

۶ - غرض سبق - سبق میں جو بات معلم کو بتانی ہے اُسکو پہلے اپنے دل میں قرار دے لے - اندھا دھند نہ پڑھائے - اس سے کوئی مُعتد بہ نتیجہ ظاہر نہ ہوگا + اکثر محنت رائگاں جائیگی + ہر ایک سبق میں **دو غرضیں** مدنظر رکھنی چاہئیں ایک **خاص** یعنی تعلیم دوسری **عام** یعنی تربیت +

(۱) **غرض خاص** یہ ہے کہ طلبہ مضمون سبق سے واقف ہو جائیں - یہ **تعلیم** ہوئی +

(۲) **غرض عام** یہ ہے کہ طلبہ کے قوائے عقلیہ پر زور ڈالا جائے۔ یہ **تربیت** ہوئی مثلاً اسباق الاشیاء میں کسی شے کے خواص بتا کر طلبہ کی واقفیت کو بڑھانا غرض **خاص** ہے۔ اور **مشاہدہ** کے ذریعہ سے انکے حواس خمسہ کو ترقی دینا غرض **عام** ہے۔ باقی مضامین کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ یہ دو نو غرضیں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلئے ہر سبق میں ساتھ ساتھ پیش نظر رہنی چاہیئں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم اور تربیت ساتھ ساتھ ہوں +

۷۔ **تحلیل و ترکیب**۔ حصول علم کی غرض سے ہم اپنے قوائے عقلیہ کو دو طرح کام میں لاتے ہیں۔ **اول** چند خاص صورتوں کو فرداً فرداً مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور قسم وار لگا کر ان سے خاص اُصول نکالتے ہیں۔ یعنی پہلے مثالیں تلاش کرتے ہیں اور اُنکا امتحان کرکے **قواعد عامہ** قائم کرتے ہیں۔ **دوم** جو اُصول اور قواعد اس طرح حاصل ہوں انکو دیگر امثلہ پر عائد کرتے ہیں۔ صورتِ اول میں **خاص** سے **عام** کی طرف۔ اور صورت دوم میں **عام** سے **خاص** کی طرف جاتے ہیں۔ مثلاً علم حیوانات کے حاصل کرنے کے لئے اِس طرح چلتے ہیں کہ طرح طرح کے جانور اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ اور چند افراد میں کئی وصف مشترک پاکر اُنکی ایک **نوع** قرار دے لیتے ہیں۔ اسکے بعد دیگر افراد کو بنظر تعمق مشاہدہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ صرف اُنکی مشترک صفات کو دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ وہ فلاں گروہ یا نوع سے متعلق ہے۔ اور اُسکی ساخت اور عادت بھی بیان کرسکتے ہیں۔ پہلے عمل کا نام **تحلیل** ہے اور دوسرے کا نام **ترکیب** + ہر علم کی بنیاد انہی دو اُصول پر ہے۔ اِسلئے تعلیم میں بھی انکو کام میں لانا چاہیئے

(۱) **تحلیل** وہ اسلوبِ تعلیم ہے جس میں چیزوں کو فرداً فرداً لیا جاتا ہے۔ اور اُنکے مشاہدہ سے اُصول اور قواعد عامہ نکالے جاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ

خاص سے عام کی طرف جاتے ہیں +

(۲) **ترکیب** وہ اسلوب تعلیم ہے جس میں مرکب چیز کے اجزا کو علیحدہ کر کے دکھاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ خاص سے عام کی طرف جاتے ہیں + اب ہم چند مثالوں سے اِن دونو عملوں کی توضیح کرتے ہیں +

مثالیں (۱) فرض کرو کہ اُستاد کو گرامر میں اسم کا سبق پڑھانا ہے۔ تو وہ طلبہ کے سامنے ایسے جملے پیش کرے جن میں اسم آئے ہوں۔ اور اُنکے خواص کا مقابلہ کر کے طلبہ سے اسم کی تعریف نکلوائے کہ

"شخص۔ حیوان۔ جگہ۔ یا ہر چیز کے نام کو اسم کہتے ہیں" یا اگر وہ اسم کو پہلے سے جانتے ہوں۔ تو اُن سے پہلے اسم کی تعریف کرالے۔ پھر جتنے اسم سبق میں آئے ہوں اُنکو دریافت کرے۔ پہلا اسلوب **تحلیلی** اور دوسرا **ترکیبی** ہے

(۲) فرض کرو کہ **حساب** میں تحویل کا سبق ہے۔ تو چند عام فہم مثالوں سے قاعدہ تحویل کا استخراج کرے۔ یا اگر اُنکو واقفیت سابقہ ہے تو قاعدہ سے شروع کر کے اُسکی مشق کے لئے سوالات حل کرائے۔ پہلا عمل **تحلیلی** ہے اور دوسرا **ترکیبی** +

(۳) **پڑھنا** سکھاتے وقت چند الفاظ کا تلفظ بتا کر۔ مقابلہ کے ذریعہ سے حروف کا تلفظ نکلوائے۔ یا پہلے مختلف حروف کا تلفظ بتائے۔ پھر اُنکو ملا کر الفاظ کا تلفظ سکھائے۔ اِس میں پہلا عمل **تحلیلی** ہے اور دوسرا **ترکیبی** +

یہ دونو طرز اپنے اپنے مقام پر مناسب و ضروری ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اِس طرح وابستہ ہیں کہ انکو **ایک کل کے دو جزو** سمجھنا چاہیے خاص اُمور کا مشاہدہ بالکل بیکار اور غیر مکمل ہے۔ جب تک اُنسے عام اُصول مقرر نہ کیے جائیں +

علیٰ ہذا القیاس اگر وہ اُصول مشاہدہ پر مبنی نہیں ہیں تو اُنکا اطلاق کمزور اور بے بنیاد ٹھہرتا ہے +

سبق پڑھانے سے پہلے معلم کو اپنے ذہن میں تصفیہ کر لینا چاہیئے - کہ اِن دونو طرزوں میں سے کونسا طرز اختیار کرنا مناسب ہے - یہاں انکے استعمال کے متعلق معلموں کے لئے **عام ہدایتیں** درج کی جاتی ہیں +

(۱) **ادنےٰ** جماعتوں کے لئے **اسلوب تحلیلی** اور **اعلیٰ جماعتوں** کے لئے **اُسلوب ترکیبی** عموماً مناسب ہے +

(۲) ہر مضمون کے **شروع** میں **اُسلوب تحلیلی** اور آخر میں **اُسلوب ترکیبی** سے کام لینا چاہیئے +

(۳) **حساب - صرف ونحو کے قواعد - اِصطلاحات جغرافیہ** کے سکھانے میں **اُسلوب تحلیلی** کا استعمال کرنا چاہیئے +

(۴) **پڑھنا** - اور **اقلیدس** - اُسلوب ترکیبی کے موافق سکھانے چاہیئں

(۵) اِس بارہ میں آخری ہدایت یہ ہے کہ جیسا **موقع** ہو ویسا عمل کرو +

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تعلیم کے وقت ایک موقع پر پہلا اُسلوب اور دوسرے موقع پر دوسرا اسلوب کام میں لانا پڑتا ہے - دونو میں کوئی حد فاصل نہیں ہے +

۸ - **معلوم سے مجہول کی طرف جانا** - ہر ایک مضمون سے طلبہ کو کچھ نہ کچھ واقفیت ہوا کرتی ہے - اِسلئے معلم کو لازم ہے کہ اُنکی **واقفیت سابقہ** کو اچھی طرح جانچ کرکے سبق کی تمہید اُٹھائے - اور نئے علم کی بنیاد پُرانے علم پر رکھے - مثلاً اشیاء کے سبق میں اگر بلّی - کتّے - مرغی - بطخ کا سبق پڑھانا ہو تو اُنکی **بناوٹ** سے شروع کرنا مناسب ہے - کیونکہ روزمرہ کے

مشاہدہ کی وجہ سے طلبہ اُنکو خوب جانتے ہیں - برعکس اسکے - اگر شیر- بھیڑیے عقاب کا سبق ہو تو اُنکی **عادت** اول بیان کرنی چاہیئے - کیونکہ طلبہ کو اُنکی عادت سے غالباً واقفیت ہوگی +

اِس قاعدے پر عمل کرنے سے کئی **فائدے** ہیں :-

(۱) چونکہ تعلیم مسلسل ہوتی ہے اسلیئے سبق کے سمجھنے میں طلبہ کو **کم وقت** پیش آئیگی +

(۲) طلبہ سبق کو **توجّہ** سے سنتے ہیں - اور **ذوق وشوق** ظاہر کرلیتے ہیں +

(۳) تعلیم کی بنا **مستحکم** رکھی جاتی ہے + غرض جو اُستاد معلوم سے مجہول کی طرف نہیں جاتا - اُسکو ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے کوئی عمارت بنائے - مگر اُسکی بنیاد بودی رکھے +

۹ - سبق کے حصے - ہر سبق کے **تین حصے** ہونے چاہیئں - (۱) **تمہید** (۲) **نفس سبق** (۳) **نتیجہ یا انجام** +

(۱) **تمہید** - اِس سے یہ غرض ہے کہ موجودہ سبق کو اسباق گزشتہ یا طلبہ کی معلوماتِ سابقہ سے ربط دیا جائے +

(۲) **نفس سبق** - سبق کے متن یا اصل مضمون کو نفس سبق کہتے ہیں +

(۳) **نتیجہ یا انجام** - سبق کا نتیجہ وہ ہوتا ہے جس میں سبق سے کوئی کارآمد بات یا مفید نصیحت نکالی جائے +

۱۰ - اچھی تمہید کے خواص - سبق کی تمہید میں **چار خواص** ہونے چاہیئں

(۱) **مختصر** ہو - ورنہ تمہید ہی سبق بنجائیگی - مگر اتنی مختصر بھی نہو کہ جو بات بتانی ہے اُسکو جھٹ پٹ اور عام طور پر بیان کردیا جائے +

(۲) **صاف** ہو - اگر پیچیدہ ہوئی تو طالب علموں کی سمجھ میں نہیں آئیگی +

(۳) **مفید اور کار آمد** ہو۔ یعنی مضمون سبق کے سمجھنے میں کام آئے +

(۴) **دلچسپ** ہو۔ تاکہ طلبہ توجہ کریں۔ اور ذوق و شوق کے ساتھ سبق کو سنیں

۱۱ **نفس سبق**۔ نفس سبق میں **خیالات کی ترتیب** نہایت ہی ضروری امر ہے۔ اِس ترتیب کو قائم رکھنے کے لیئے اِن چند باتوں کا لحاظ رکھنا لازم ہے

(۱) ترتیب **آسان اور عام فہم** ہو۔ اگر بہت سی باتیں گڈمڈ کردی جائیں اور ہر ایک کے موقع اور محل کا امتیاز نہو تو بجز انتشار طبیعت کے کچھ حاصل نہ ہوگا

(۲) سبق کے حصوں میں **مناسب انداز** قائم رکھنا چاہیئے۔ جو حصے زیادہ مشکل اور شرح طلب ہیں اُنکو طول دیکر اور باقیوں کو مجملاً بیان کردینا چاہیئے +

(۳) جو بات زیادہ **پیچیدہ اور دقیق** ہو اُسکے **اجزا** کر لینے چاہیئں + اور ہر ایک جز کو جدا جدا سمجھانا چاہیئے۔ اگر ضرورت ہو تو ان جزوں کے بھی جز بنالئے جائیں۔ یہاں تک کہ مضمون آسان ہو جائے۔ مگر ایسا آسان بھی نکردیا جائے۔ کہ طلبہ کی عقل پر مطلق زور نہ پڑے مطلب یہ ہے کہ معلّم سبق کو اتنا سہل کردے کہ طلبہ معقول سعی سے اسکو حل کرسکیں +

(۴) سبق کے حصوں کی ترتیب **منطقی** یعنی قدرتی تعلقات کے لحاظ سے ہونی چاہیئے۔ خواہ بلحاظ **فرق و مشابہت** خواہ بلحاظ **علت و معلول**۔ خواہ بلحاظ **مقدم و تالی**۔ مثلاً کسی جانور کا سبق پڑھانا ہو۔ تو سر سے شروع کرو۔ اور پاؤں تک چلے آؤ۔ درخت کے سبق میں جڑ سے شاخوں تک چلے جاؤ۔ زباندانی کا سبق ہو۔ یا کسی مسئلے کی توضیح کرنی ہو۔ تو اول وہ دلیلیں جو دوسرے امر پر مبنی ہوں۔ سب کو ایک ساتھ ملا جلا کر نہیں بیان کرنا چاہیئے +

سبق کی منطقی ترتیب سے یہ **فائدے** ہیں +

(۱) سبق اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے +

(۲) اُسکا **پورا اثر** قائم رہتا ہے - اور یاد خوب رہتا ہے +

(۳) طلبہ کو باقاعدہ اور منطقی طور پر **غور و خوض** کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے

۱۲- **نتیجہ سبق** - سبق کا نتیجہ مختلف صورتوں میں مختلف ہوا کرتا ہے - مثلاً کوئی **مذہبی خیال** طلبہ کے ذہن نشین کرنا - جیسے حسب موقع خدا تعالیٰ کی قدرت - حکمت - رحم - کرم وغیرہ صفات کا اُن سے تسلیم کرانا - یا کسی **اخلاقی فرض** کا بتا دینا - یا **عاقبت اندیشی** کا خیال طالب علموں کے دل میں پیدا کرنا - وغیرہ +

کسی سبق سے نتیجہ نکالتے وقت مفصلۂ ذیل ہدایات کو مدنظر رکھنا چاہیے -

(۱) ہر سبق سے نتیجہ نہیں **نکلا** کرتا - اِسلئے خواہ مخواہ نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے - ایسی صورت میں مضامین سبق کے اعادہ ہی کو نتیجہ سمجھنا چاہیئے

(۲) ایک سبق سے **ایک ہی** عمدہ نتیجہ نکلا کرتا ہے - اِسلئے وہی نتیجہ نکالنا چاہیئے - جو بلا تکلف نکل سکتا ہو - اگر ہر سبق میں سے معلّم جو نصیحت چاہے نکالکر کھڑی کرے - تو وہ محض بے اثر ہوتی ہے +

(۳) معلّم کو کوئی نتیجہ مسئلہ کے طور پر خود نہیں بتانا چاہیئے - بلکہ طلبہ ہی سے نکلوانا چاہیئے +

(۴) نتیجہ **عملی** طور پر نکالنا چاہیئے - یعنی طالبعلموں کو یہ بات بتانی چاہیئے کہ جو نصیحت سبق سے حاصل ہوئی ہے - اُسکو کس طرح کام میں لائیں +

فصل دوم - سبق کی تشریح

۱۳- **تشریح** - اِس سے یہ مراد ہے کہ سبق کا مطلب اچھی طرح کھول کر

بیان کیا جائے۔ اُستاد کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ جو بات اُسکے نزدیک
آسان ہے۔ طلبہ بھی اُسکو سمجھتے ہونگے۔ بسا اوقات ایک لفظ بھی بیان [illegible]
رہجاتا ہے۔ تو کل جملہ کا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ تاہم حد سے زیادہ طوالت
سے بچنا چاہیئے۔ کسی امر کی تشریح میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے
(۱) ہر بات کو جڑ بنیاد تک پہنچا دینا اول تو ممکن نہیں۔ اور ممکن بھی [illegible]
مناسب نہیں۔ بچوں کو نہ تو اُسکی ضرورت ہے اور نہ خواہش +
(۲) اُستاد کا بیان ایک خاص حد تک تشریح کا کام دیتا ہے۔ اس سے
بڑھکر بجائے تشریح کے اُلجھاؤ پیدا کرتا ہے +
اِس قسم کی فضول بیانی اور طول کلام کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ
مُعلّم کا پہلا بیان صحیح اور درست نہیں ہوتا۔ اِسلئے اُسے پہلے غیر مکمل بیان کی
اِصلاح اور ترمیم کی غرض سے۔ اسکو مکرر بیان کرتا ہے۔ اگر بالفرض اسکا
دوسرا بیان بالکل صحیح ہو۔ تو بھی اسکا پہلا غیر مکمل بیان اِس ترمیم شدہ
بیان کا اثر نہیں ہونے دیتا۔ پس معلم کو لازم ہے کہ پہلے ہی اپنے ذہن میں
دو باتوں کا تصفیہ کرلے۔ ایک یہ کہ سبق میں کونسی باتیں بتانی چاہئیں
دوسرے یہ کہ ہر بات کو کسقدر اور کس ڈھنگ پر بیان کرنا چاہیے +

۱۴۔ تشریح کی قسمیں۔ تشریح تین قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) تشریح خاص
(۲) تمثیل (۳) تعریف یا حد۔

(۱) **تشریح خاص** کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی مشکل خیال یا واقعہ کو آسان سے
آسان صورت میں بیان کیا جائے۔ اسکو صرف **تشریح** بھی کہتے ہیں
ایک لفظ کی جگہ دوسرا مُرادف بتا دینا داخل تشریح نہیں ہے۔ اگرچہ
بعض اوقات اِس طرح بھی بآسانی مطلب حل ہو جاتا ہے +

(۲) **تمثیل** سے یہ مراد ہے کہ کسی شے کو اُس سے ملتی جُلتی ہوئی شے سے مشابہت دیجائے۔ مثلاً سیسہ کے پگلنے کی تمثیل موم کے پگلنے سے +

(۳) **تعریف**۔ کسی شے کی تعریف یا حد سے یہ غرض ہے۔ کہ اُس کے ضروری خواص سب ایک جگہ بیان کئے جائیں۔ مثلاً "ہر چیز کے نام کو اسم کہتے ہیں" اسم کی تعریف ہے +

۱۵۔ تمثیل کی قسمیں۔ تمثیل تین طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) تمثیل باللسان (۲) تمثیل بالشئے۔ (۳) تمثیل بالتصویر +

(۱) **تمثیل باللسان** یعنی زبانی تمثیل۔ اِس کی دو صورتیں ہیں۔

(ا)۔ **تمثیل العام بالخاص**۔ جس میں کسی عام بات کے سمجھانے کے لئے ایک خاص بات بیان کی جائے۔ مثلاً اِس جملہ میں کہ "جب آبنائے میگلن سے گذرتے ہیں تو کیا عجیب منظر پیش نظر ہوتا ہے" لفظ منظر کی تمثیل دینے کے لئے طلبہ کو گرد و نواح کے کسی مشہور مقام کا جس سے وہ واقف ہوں۔ تصوّر دلانا چاہیے۔ اور پھر اُن چیزوں کا جو اسکے اِردگرد نظر آتی ہیں۔ اب اُنکو بتاؤ کہ اِن تمام چیزوں کو منظر کہتے ہیں +

(ب) **تمثیل الخاص بالخاص**۔ یعنی ایک خاص بات کے سمجھانے کے لئے دوسری خاص بات۔ جو اُس سے ملتی جلتی ہو بیان کی جائے مثلاً گنّے کے رس کو جوش دینے کی تمثیل مُربّا بنانے سے۔ یا سیسہ کے پگلنے کی تمثیل موم کے پگلنے سے +

(۲) **تمثیل بالشئے**۔ یعنی کسی شے کے ذریعہ سے تمثیل دینا۔ جب سبق میں کسی چیز کا ذکر آجائے۔ خواہ اشیاء کا سبق ہو۔ خواہ زباندانی کا۔ تو

حتے الامکان طلبہ کو وہ چیز دکھا دینی چاہیئے - اِسلئے ضرور ہے - کہ ہر مدرسہ میں عام چیزوں کا ذخیرہ موجود رہے +

(۳) **تمثیل بالتصویر** - یعنی جس شے کا بیان سبق میں آئے - اسکی تصویر بچوں کو دکھائی جائے - اسکی **ضرورت** اسوجہ سے ہے کہ مدرسہ میں ہر شے موجود نہیں رہ سکتی - اِس کمی کو تصویروں کے ذریعہ سے پورا کیا جاتا ہے پس ہر مدرسہ میں حیوانات - نباتات مشہور کلوں اور کارخانوں کی تصویریں ہونی چاہیئیں +

۱۶ - تمثیل کے خواص - تمثیل نہایت سوچ سمجھ کر دینی چاہیئے - غلط تمثیل سے طلبہ ایسے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں جیسے غلط تشریح سے - اچھی تمثیل میں **تین وصف** ہونے چاہیئیں +

(۱) **تمثیل برمحل ہو** - یعنی جس موقع پر دیجائے - وہاں ٹھیک بیٹھ جائے + **تمثیل العام بالخاص** کی صورت میں یہ اطمینان کر لینا چاہیئے - کہ ممثل اور ممثل لہ میں عام وخاص کا تعلق ہے - اور **تمثیل الخاص بالخاص** میں یہ دیکھ لینا ضرور ہے - کہ ان میں باہم مشابہت ومماثلت بھی پائی جاتی ہے

(۲) **دلچسپ ہو** - جس سے سبق میں لطف پیدا ہو جائے - یہ بات جب ہی ممکن ہے کہ پہلے سے طلبہ اُس شے کو جانتے ہوں جس سے تمثیل دیگئی - **تمثیل المجہول بالمجہول** داخل تمثیل نہیں ہے +

(۳) **صاف اور ہو بہو ہو** - یعنی جن اُمور میں مشابہت اور مناسبت پائی جاتی ہے - انکو صاف اور واضح طور پر کھول دینا چاہیئے +

۱۷ - تمثیل کی ضرورت - کسی بات کا مطلب اُستاد کی گفتگو سے نہیں زیادہ تر تمثیل ہی کے ذریعہ سے طلبہ کی سمجھ میں آیا کرتا ہے - اِس سے تمثیل کی

ضرورت صاف ظاہر ہے - مگر چونکہ زبانی تمثیل سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ شے موجود نہو - اسلیئے تمثیل بالشئے کی ضرورت پیش آتی ہے - لیکن مدرسہ میں تمام چیزوں کا موجود رکھنا ناممکن ہے - اسکی تلافی تمثیل بالتصویر کے ذریعہ سے کی جاتی ہے + اکثر معلم تمثیل کو غیر ضروری - بے حقیقت اور تعلیم کا حارج سمجھتے ہیں - مگر یہ اُنکی سخت غلطی ہے - اگرچہ اس میں وقت ضرور صرف ہوتا ہے - مگر کئی فائدے ہیں +

(۱) طلبہ کی قوت مشاہدہ کو ترقی ہوتی ہے -

(۲) ہر معاملہ میں اُنکو تحقیق اور تصدیق کی عادت پیدا ہوتی ہے +

(۳) مبہم اور غیر مکمل خیالات سے محفوظ رہتے ہیں +

تمثیل دینے کے لئے دو باتیں درکار ہیں - اول عام معلومات - دوم غور و فکر اسلیئے معلم کو لازم ہے کہ اپنا مطالعہ برابر جاری رکھے - اور سبق کو تیار کرکے پڑھائے تمثیل کے استعمال میں دو متضاد غلطیوں سے بچنا چاہئے +

(۱) تمثیل بہت مختصر نہیں ہونی چاہئے - بلکہ اسقدر تفصیل کے ساتھ ہو کہ طلبہ کے دل پر نقش ہو جائے +

(۲) سبق میں تمثیلوں کی بہت کثرت بھی نہیں ہونی چاہئے - اور نہ اُنکو غایت درجہ کا طول دینا چاہئے - ورنہ تمثیلیں ہی سبق بن جائیں گی +

۱۸ - **تصویر اور نقشہ** - مدرسہ کی تصویریں سیدھی سادی اور اول پہچان ہونی چاہئیں - یہی زیادہ مؤثر ہوتی ہیں - یہ ضرور نہیں ہے کہ فن مصوری کا پورا کمال اُن میں ظاہر کیا جائے - یا بڑے تکلف اور عمدگی کے ساتھ بنائی جائیں اثنائے سبق میں تصویر ایسے موقع پر دکھانی چاہئے - جہاں اُسکی ضرورت ہو اول بیان سے تصویر کھینچو - اسکے بعد اصلی تصویر دکھاؤ - اِس سے طلبہ کی

قوتِ متخیلہ کی ترتیب ہوتی ہے۔ کیونکہ بچوں کے دل میں اُستاد کے بیان سے اس شے کی ایک تصویر بن جاتی ہے اور وہ اپنی ذہنی تصویر کا اصلی تصویر کے ساتھ مقابلہ کیا کرتے ہیں +

تمثیل کے لئے نقشہ کا استعمال بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا تصویر کا جب کسی سبق میں (خواہ وہ سبق زباندانی کا ہو۔ خواہ تاریخ کا۔ خواہ اشیا کا) کسی شہر یا مقام کا ذکر آجائے۔ تو اُسکو نقشہ پر ضرور دکھانا چاہئے۔ اس سے سبق کی توضیح ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ جغرافیہ بھی ذہن نشین ہوتا جاتا ہے اسکے علاوہ خود معلم کو مصوری اور نقشہ کشی میں ایسی مہارت ہونی چاہئے کہ تصویریں اور نقشے بے تکلف بنا سکے۔ یہ واقفیت دو وجہ سے ضروری ہے

(۱) بہت سے موقع ایسے نکلیں گے۔ کہ معلم ایک خاص شے کا تصور طلبہ کو کسی طرح نہیں دلا سکیگا۔ بجز اسکے کہ اپنے ہاتھ سے تصویر کھینچکر دکھائے۔ مثلاً کسی شے کی تصویر مدرسہ میں موجود ہی نہو۔ یا موجود تو ہو۔ مگر اُسکے کسی حصہ کو علیحدہ مشاہدہ کرانا ہو۔ بڑا بنا کر دکھانا ہو۔ چنانچہ درختوں کے سبق میں پتے کی تصویر۔ اور جانوروں کے سبق میں اُنکے پیروں کی تصویر علیحدہ بناکر دکھانی پڑتی ہے۔ جغرافیہ کے سبق میں دریا کا تعلق کسی سلسلہ کوہ سے بتانا ہوتا ہے +

(۲) تصویر بناتے وقت بچے بڑی خوشی کے ساتھ اسکو دیکھا کرتے ہیں۔ اور بعد میں خود اُس تصویر کے بنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اس طرح اُنکے دلوں میں خود بخود فنِ مصوری کا شوق پیدا ہو جاتا ہے جو نہایت مفید ہے

۱۹۔ تعریف یا حد۔ جب بچہ کوئی بات بتاتا ہے۔ تو اُسکی تعریف نہیں کرتا صرف تمثیل دیتا ہے۔ مثلاً اُس سے دریافت کریں کہ "دھات کیا چیز ہے"

تو جواب دیگا۔ جیسے "لوہا۔ تانبا" یا اگر اس سے پوچھیں کہ "نیک بچہ کون ہے" یوں ہی کہیگا "جو سچ بولتا ہے۔ ماں باپ کا کہا مانتا ہے"۔ اِس سے ظاہر ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں میں کسی چیز کی تعریف بیان کرنے کا مادہ نہیں ہوتا **تعریف** کے حاصل کرنے کے لئے اول بہت سی مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس تعریف کے اِستعمال کی بابت یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تعریف **مشاہدہ اور تمثیل کے بعد** ہونی چاہیئے۔ چھوٹے بچوں کو ابتدا میں نہیں۔ بلکہ آخر میں تعریف بتانی چاہیئے۔ جب بچوں کی معلومات اور استعداد بڑھ جائے۔ اسوقت اُن سے تعریفیں ضرور نکلوانی چاہیئں اِس سے پہلے ایسی مشق کرانی قبل از وقت اور داخل نادانی ہے +

فصل سوم۔ سبق کی تیاری اور اشارے لکھنا

۲۰- **تیاری کی ضرورت**۔ معلم کو لازم ہے۔ کہ جو سبق پڑھانا ہو۔ اُسکو پہلے سے مطالعہ کرکے تیار کرے۔ اگرچہ وہ بعض مضامین کو مثلاً زباندانی حساب وغیرہ اپنی واقفیت عامہ کی وجہ سے **بغیر خاص مطالعہ کے** پڑھا سکتا ہے۔ تاہم سبق کو مؤثر طور پر پڑھانے کے لئے تھوڑی بہت تیاری کرنی پڑتی ہے +

سبق کی تیاری کی ضرورت تین وجہ سے خالی نہیں ہے

(۱) مضمون سبق سے **کافی واقفیت** پیدا کرنا۔ بعض مضمون معلم کو بظاہر بہت آسان نظر آیا کرتے ہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو پڑھانے کے لئے بھی نئی معلومات درکار ہے +

(۲) سبق کو عمدہ طور پر **ترتیب دینا**۔ یہ بات سبق کو ذہن نشین کرنے کے

واسطے نہایت ضروری ہے - نہایت ہی آسان اور ابتدائی سبق بھی
اِس میں داخل ہیں +

(۳) سبق کے لئے عمدہ **تمثیلیں** تلاش کرنا - موقعہ کے مناسب تمثیل کا
دستیاب ہونا اکثر نہایت مشکل ہوتا ہے - اور بغیر تجسس کے اچھی
کبھی نہیں سوجھتی +

اگر معلم بغیر مطالعہ کے سبق پڑھائیگا - تو اس سے کئی نقصان ہونگے +

(۱) سبق میں وہی باتیں بتائیگا - جو اُسکو یاد ہیں - بعض ضروری اور مفید
باتیں بیان سے رہ جائینگی +

(۲) سبق کے مختلف حصوں کو **مربوط** اور **مسلسل** طور پر نہیں بتا سکیگا +

(۳) سبق کی اچھی طرح تشریح نہیں کرسکیگا - اور عمدہ **تمثیلیں** نہیں دیسکیگا -

۲۱ - عام مطالعہ - علاوہ سبق کی تیاری کے جس کو ہم **خاص مطالعہ** سے
تعبیر کرتے ہیں **عام مطالعہ** بھی معلم کے واسطے نہایت ضروری ہے -
پس مناسب ہے کہ وہ کوئی خاص مضمون بطور خود مطالعہ کرنے کی غرض سے
مقرر کرے - خواہ اس مضمون کو تعلیم کے مضمون سے تعلق ہو خواہ نہو -
ہر معلم کو یہ بات اپنے دل پر نقش کرلینی چاہیئے - کہ اُس کا یہی کام نہیں ہے
کہ اَوروں کو سکھائے - بلکہ خود بھی سیکھے +

مطالعہ سے بہت سے **فائدے** ہیں -

(۱) معلم کی **طبیعت** تعلیم کے لئے آمادہ - اور ہر وقت تازہ رہتی ہے +

(۲) کام میں **مستعدی** اور چستی و چالاکی پیدا ہوتی ہے +

(۳) طلبہ کی مشکلات میں معلم اُنکا ہمدرد اور **شفیق** رہتا ہے +

(۴) **معلومات** کا ذخیرہ وسیع اور پُرانا **علم** تازہ ہوتا رہتا ہے +

(ہ) چونکہ تعلیم مؤثر ہوگی - اسلئے طلبہ کے دلوں میں بھی **علم کا شوق** پیدا ہوگا +
انسان کی طبیعت مثل ایک سوراخدار برتن کے ہے - کہ جب تک اُسکو بار بار پُر
نہ کیا جائے - جلد خالی ہوجاتا ہے - اگر معلم صرف اُسی علم پر قناعت کریگا - جو
اُس نے زمانہ طالب علمی میں حاصل کیا تھا تو کچھ عرصہ میں اُسکو بھی کھو بیٹھے گا۔
ترک مطالعہ کی وجہ سے اُستاد کا علم نہ صرف گھس گھسا کر پرانا ہوجاتا ہے - بلکہ
رفتہ رفتہ اپنے شاگردوں کے مرتبہ سے بھی گرجاتا ہے - اُسکے **قوائے عقلیہ**
محض بیکار ہوجاتے ہیں - اُسکی **تعلیم** دلچسپ اور مؤثر نہیں ہوسکتی - اسلئے
اُسکو ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھنا - اور طلبہ کی سطح سے اونچا رہنا چاہئیے - اور اپنے
ذاتی **استفادہ** اور نیز اپنے شاگردوں کے **افادہ** کے خیال سے اپنے قوائے
عقلیہ کو مطالعہ کے ذریعہ سے تیز کرتے رہنا چاہئیے +

۲۲ - اشارے لکھنا اور اُسکے فائدے - نوٹ[۱] یا اِشارے

لکھنے سے یہ مراد ہے - کہ جس **ترتیب** اور جس **طرز** سے اُستاد کوئی سبق پڑھانا
چاہتا ہے - اُسے مختصر طور پر لکھ لے - کسی سبق کے اشارے لکھنا درحقیقت اُسکا
ایسا **خاکہ** بنانا ہے - کہ ایک نظر ڈالنے سے کل سبق کا خلاصہ معلوم ہوجائے - نئے
اور ناتجربہ کار معلم کو اس ترکیب سے سبق کی تیاری میں بڑی مدد ملتی ہے - چنانچہ
(۱) اُسکو معلوم ہوجاتا ہے کہ مجھے کونسی باتیں آتی ہیں - اور کونسی نہیں آتیں - جو
نہیں آتیں اُنہیں **تحقیق** کرلیتا ہے -

(۲) یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ سبق میں کونسی باتیں بتانی چاہئیں - اور کس
ترتیب سے - غرض سبق کی ضروری باتوں کا **انتخاب** اور **ترتیب** بخوبی

---

[۱] نوٹ انگریزی لفظ ہے جسکے معنی ہیں حاشیہ شرح یادداشت وغیرہ اس لئے نوٹ لکھنے سے
مراد ہے یادداشت لکھنی - اسکا ترجمہ عموماً اشارے لکھنا کیا جاتا ہے - مصنف +

ہو جاتی ہے +

(۳) سبق کا خاکہ اُسکے دل میں جم جاتا ہے۔ اور سبق پر قابض ہو جاتا ہے۔ برابر پڑھاتا چلا جاتا ہے۔ نہ کچھ سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور نہ جماعت کا وقت ضائع ہوتا ہے +

(۴) سبق کے مختلف حصوں کا ربط طلبہ کی سمجھ میں اچھی طرح آجاتا ہے۔ اسلیے شوق اور توجہ سے سبق کو سنتے ہیں۔ اُستاد کو اپنی محنت کا پورا ثمرہ ملجاتا ہے

۲۳- اشارے لکھنے کا طریقہ۔ اشارے لکھنے میں اول سبق کی تمہید لکھو۔ پھر نفس سبق کے لکھنے کے واسطے نقشہ اشارات کو تین خانوں میں تقسیم کرکے پہلے خانہ میں **سرخی**۔ دوسرے میں **مضمون**۔ اور تیسرے میں طریقہ لکھو۔ اور آخر میں سبق کا نتیجہ درج کرو۔ تمہید۔ مضمون نتیجہ کا حال۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب سرخیوں اور طریقہ کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) **سرخیوں** سے یہ مراد ہے کہ سبق کے مضمون کو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ مگر حتی الامکان سرخیاں **کم ہوں** اور ہر ایک بجائے خود کامل اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو +

(۲) **طریقہ** سے یہ مراد ہے کہ اُستاد سبق کا مضمون طلبہ کو کس ڈھنگ سے بتانا چاہتا ہے۔ اس میں وہ باتیں درج ہونی چاہئیں جو مضمون سبق کے سمجھانے میں درکار ہوں۔ مثلاً **تشریح۔ تمثیل**۔ دوسری چیزوں سے **مقابلہ۔ کہانیاں** وغیرہ +

اشارے لکھنے میں دو باتوں کی **احتیاط** رکھنی چاہیئے +

(۱) کل سبق کو **سوال وجواب** کے طور پر لکھ لینے سے مطلب برآری نہیں ہوتی ممکن ہے کہ سبق پڑھاتے وقت سوال وجواب کی ترتیب بدلجائے

اُستاد کی محنت ضائع ہو جائے۔ اور وہ لڑکوں کا مونھ دیکھتا رہ جائے۔
اِسی طرح نری سرخیاں لکھ لینے سے بھی کام نہیں چلتا۔ کیونکہ وہ مبہم
اور مجمل ہوتی ہیں +

(۲) ہر سبق کے اشارے ایک خاص طرز پر نہیں لکھ سکتے۔ اِس امر کا
فیصلہ کہ ہر ایک بات کو کسقدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہئیے۔ اور کن
باتوں پر زور دینا چاہئیے۔ معلم کے تجربہ اور مشق پر منحصر ہے +

۲۴۔ **اشاروں کا استعمال**۔ جو نوٹ یا اشارے تیار کئے گئے ہیں۔
اُنکو عین تعلیم کے وقت ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئیے + اگر معلم پڑھاتے
وقت بار بار اُنکو دیکھ کر بتائے گا۔ تو کبھی اچھی طرح تعلیم نہیں دے سکیگا۔ اور
چونکہ اسکو بات بات پر رُکنا پڑیگا۔ اِسلئے طلبہ کی متواتر توجہ قائم نہیں رہیگی
پس ضرور ہے کہ اُنکا لُبِّ لباب معلم کے ذہن میں ہو۔ تاکہ اُستاد کی
سرگرمی اور شاگردوں کی توجہ کے درمیان کوئی شے حائل نہو +

۲۵۔ **اشاروں کی مثالیں**۔ اب ہم نمونہ کے طور پر چند مثالیں درج کرتے
ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلموں کو مختلف سبقوں پر اشارے لکھنے کی طرز سے
واقفیت ہو جائیگی +

۱۔ فارسی زباندانی

تمہید۔ سبق کا مطلب کہانی کے طور پر زبانی بیان کرو۔ اور درمیان میں
طلبہ سے چند سوال کرتے رہو +

سرخی	مضمون	طریقہ تعلیم
۱۔ مشکل الفاظ ا۔ معنی الفاظ	گورستان۔ قبروں کی جگہ قبرستان۔ ہمیں۔ یہی۔ اِسی (ہم۔ بھی۔ ہی۔ اِس = یہ اِس) + مَلِک۔ بادشاہ	طلبہ سے کہو۔ جس سبق کا مضمون میں نے تم کو بتایا ہے۔ اُسمیں بعض الفاظ مشکل آتے ہیں۔ آؤ پہلے اُنکے معنی تختہ سیاہ پر لکھ لیں + بورڈ پر لکھتے وقت برابر بولتے رہو۔ دو تین لفظ لکھکر ہمستہ دُہراجاؤ۔ تاکہ طلبہ کو لفظ یاد ہو جائیں جہاں تک ممکن ہو لفظوں کے معنی طلبہ ہی سے نکلواؤ۔ نہ بتا سکیں تو خود لکھدو +
	عاقلانہ۔ عقلمند جیسا سمجھدار آدمی کی مانند (آنہ = مانند)۔ خیر۔ اچھا۔ بھلا۔ بھلائی۔ فانی۔ فنا ہونے والی چیز۔ دنیا۔	جو الفاظ زیادہ تر شرح طلب ہیں اُنہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرو۔ مثلاً گورستان۔ اس میں بتاؤ کہ گور کے معنی قبر کے ہیں۔ اور ستان کے معنی ہیں ایسی جگہ جہاں کوئی قبر کثرت سے ہو ایک دو مثالیں اور دو جیسے گلستان۔ بہارستان۔ خارستان +
	باقی۔ قائم رہنے والی چیز آخرت۔ سَر۔ سِر۔ خیال۔ ملکوت۔ فرشتوں کا عالَم عالَمِ ارواح۔ پروردگاری	عاقلانہ کی تشریح میں بتاؤ کہ عاقل سمجھدار اور آنہ کلمۂ تشبیہ بمعنی مانند۔ مثل۔ جیسا۔ سا۔ اِسکی بھی چند مثالیں دو۔ جیسے مردانہ۔ زنانہ۔ طفلانہ۔ علیٰ ہذاالقیاس فانی اور باقی کے لفظی اور اصطلاحی معنی کی توضیح کرو۔
تلفظ الفاظ	گورستان۔ خوش۔	اِن لفظوں کا تلفظ خود ادا کرو۔ طلبہ سے

	عاقلانہ - اِختیار - مَلِک - مُلک - ملکوت	کہلاؤ - مشکل الفاظ کے ہجے کراؤ - زیادہ مشکل لفظوں کو مہارنی کے طور پر کہلاؤ + خوش کے لفظ میں بتاؤ کہ واؤ معدولہ ہے - لکھنے میں آتا ہے - بولنے میں نہیں آتا - مَلِک - مُلک - میں تلفظ اور معنی کا فرق بتاؤ مَلِک اور مُلک کے معنی بھی بتا دو +
توضیح و تشریح	حرفِ عاقلانہ - عقلمند جیسی بات - عقل کی بات - اختیار کردن - پسند کرنا - ترجیح دینا - بہتر سمجھنا + دردل نشستن - دل میں بیٹھنا یا جم جانا - اثر کر جانا - ازسر ملک برخاستن - مُلک (سلطنت) کے خیال سے ہٹ جانا - سلطنت چھوڑ دینا + رو نہادن - توجہ کرنا - دھیان کرنا (لفظی مونھ رکھنا) رو بملکوت نہادن - فرشتوں کی طرف توجہ کرنا - خدا ہی کا ہو رہنا +	اِن محاوروں کی تشریح اچھی طرح کرو - تمثیل کے موقع پر تمثیل دو - مثلاً رو نہادن کی تمثیل میں بیان کرو کہ جس طرف کسی کا مونھ ہوتا ہے اُسی طرف اُسکی توجہ ہوتی ہے اسلئے رو نہادن سے مراد توجہ کرنا ہے +
عبارت کا پڑھنا	پادشاہے بگورستاں گزشت	اول نمونہ کے طور پر آہستگی اور صفائی کے ساتھ

دیوانہ بنظر آمد + گفتند کہ ہمیں
جا مے ماند۔ و خوش مے گزراند۔
ملک پرسید کہ چرا بشہر نیائی؟
گفت۔ آنانکہ بشہر اند۔ کجا روند
گفت۔ ہمیں جا آیند۔ گفت
پس شہر ہمیں باشد۔ ملک
گفت اے دیوانہ! حرفِ
عاقلانہ گفتی۔ گفت خیر۔ اگر
عاقل بودمے۔ البتہ فانی را
بر باقی اختیار کردمے ہمچو تو۔
ملک را سخنش در دل نشست
از سرِ ملک برخاست۔ و
بہ ملکوت رو نہاد +

خود پڑھ کر سناؤ۔ اصول خوشخوانی
(صحت تلفظ۔ توقف۔ مد الصوت۔
تغیر لحن وغیرہ) کا خیال رکھو +
دوم۔ اِجتماعی طور پر ہر جملے کے مناسب
حصے کرکے ایک ایک حصے کو جدا جدا
پڑھ کر سناؤ۔ پھر اُسی حصے کو سب لڑکے
ملکر جہارنی کے طور پر پڑھیں۔ تاکہ
موقع موقع پر ٹھیرنا اور صحیح تلفظ آجائے
سوم۔ اِنفرادی طور پر۔ اب ایک ایک
لڑکے سے دو دو تین تین جملے جسمیں
ایک مطلب تمام و کمال آجائے علیحدہ
علیحدہ پڑھواؤ۔ جو اچھے پڑھنے والے
ہیں پہلے اُن سے پڑھواؤ۔ پھر اور
طلبہ سے۔ بار بار خود نمونہ دیکر غلطیوں
کی اِصلاح کرو۔ اِسی طرح تمام عبارت
پڑھواؤ +

۴ ترجمہ

ایک بادشاہ قبرستان کی
طرف جا نکلا۔ (وہاں) ایک
باؤلا دکھائی دیا۔ (لوگوں نے)
کہا (یہ) اِسی جگہ رہتا ہے اور
اچھی طرح (زندگی) بسر کرتا ہے

اب عبارت کا ترجمہ شروع کرو۔ ہر
جملہ کا پہلے لفظی اور پھر بامحاورہ
ترجمہ کراؤ۔ جہاں تک ہوسکے ترجمہ طلبہ
ہی سے نکلواؤ۔ اُردو اور فارسی محاورات
کا تمام سبق میں مقابلہ کراؤ۔ دونو زبانوں

	بادشاہ نے پوچھا - کہ تو شہر میں کیوں نہیں آتا ؟ (اُس نے) کہا وہ (لوگ) جو شہر میں (رہتے) ہیں کہاں جاتے ہیں ؟ بادشاہ نے کہا - اِسی جگہ آ لیتے ہیں (دیوانہ نے) کہا تو پھر شہر یہی ہوا - بادشاہ نے کہا - اے دیوانے ! (یہ تو) تو نے عقلمندوں کی سی بات کہی ہے + (اُس نے) کہا - نہیں - اگر میں دانا ہوتا تو تیری طرح دنیا کو آخرت سے بہتر سمجھتا اُسکی بات بادشاہ کے دل میں بیٹھ گئی - بادشاہی چھوڑ دی - اور خدا ہی کا ہو رہا +	جملوں کی ساخت کا فرق سمجھاؤ - ترجمہ میں جو لفظ ربط عبارت کی غرض سے زیادہ کیئے گئے ہیں اُن پر توجہ دلاؤ +
۵ - صرف و نحو -	مے گزارند - روند - حرف عاقلانہ - بودمے از سر ملک -	پوچھو یہ الفاظ کون کونسے کلمے ہیں - اور کیوں ؟ افعال کی گردان کراؤ - ماضی کا مضارع - مضارع کی ماضی وغیرہ دریافت کرو - مرکبات کی ترکیب کراؤ +
۶ - مشق	(۱) الفاظ پر سوالات	(۱) کتابیں بند کراکر مشکل لفظوں اور محاوروں کے معنی پوچھو +
	(۲) مطلب پر سوالات	(۲) مطلب پر اس طرح کے سوالات کرو

		اِس کہانی میں کس کا ذکر ہے؟ (بادشاہ کا) بادشاہ کہاں گیا تھا؟ (قبرستان میں)۔ وہاں کسے دیکھا؟ (دیوانے کو) وغیرہ
	(۳) عبارت کا پڑھوانا	(۳) بغیر ترجمہ کرائے طلبہ سے پڑھوانا شروع کرو۔ اُصول خوشخوانی کا بدستور خیال رکھو۔ مشکل مقامات کا ترجمہ بھی دریافت کرتے ہو +

نتیجہ۔ طلبہ سے کہو سبق کا مطلب اپنی عبارت میں بیان کریں۔ اور اُن ہی سے یہ نصیحت نکلواؤ۔ کہ "دُنیا چند روزہ ہے۔ اِسمیں پھنسکر خدا تعالیٰ کو بھولنا نہیں چاہیئے"

۲۔ اسم

تمہید۔ بورڈ پر چند چھوٹے چھوٹے جملے لکھو۔ جن میں اسم آئے ہوں۔ مثلاً "احمد پڑھتا ہے"۔ "کتّا بھونکتا ہے"۔ "آگ جلتی ہے"۔ اور طلبہ کو یہ تصوّر دلاؤ کہ احمد۔ کتّا۔ آگ۔ اسم ہیں +

سرخی	مضمون	طریقِ تعلیم
(۱) مثالیں	محمود نیک لڑکا ہے رامو ہونہار بچہ ہے گائے دودھ دیتی ہے گھوڑا گاڑی کھینچتا ہے پانی پت مشہور شہر ہے بمبئی کے آم اچھے ہوتے ہیں علم بڑی دولت ہے	اِن جملوں کو صفائی کے ساتھ بورڈ پر لکھکر مختلف لڑکوں سے پڑھواؤ۔ اور سوالات سقراطی کے ذریعہ سے اخذ کراؤ۔ کہ محمود رامو وغیرہ نام ہیں۔ اِن لفظوں کے اُوپر ساتھ ہی ساتھ خط کھینچ جاؤ۔ اب ہر قسم کے ناموں کو لڑکوں سے پوچھ پوچھ کر بورڈ پر علیحدہ علیحدہ اِس طرح لکھو:۔

	کنجوسی بری عادت ہے -	آدمیوں یا شخصوں کے نام . محمود - لڑکا - رامو - بچہ جانوروں کے نام . . . . گاے - گھوڑا مقاموں کے نام . . . . پانی پت - شہر - بمبئی - چیزوں کے نام . . . . دود - گاڑی - آم - علم دولت - کنجوسی - عادت یہ بھی نکلواؤ کہ لڑکا - گھوڑا - آم وغیرہ ! ایک ہی شخص یا ایک ہی چیز یا ایک ہی جانور کے نام نہیں ہیں - بلکہ یہی ایک نام بہت سے آدمیوں جانوروں یا چیزوں کا ہو سکتا ہے - سمجھاؤ کہ علم - کنجوسی - عادت وغیرہ بھی نام ہی ہیں مگر ایسی چیزوں کے جنکو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے - دل ہی دل میں خیال کر سکتے ہیں +
۲- اصطلاح	اِسم	بتاؤ ایسے لفظوں کو جو کسی چیز کا نام ہوں اسم کہتے ہیں - اب اِس لفظ کے ہجے کرا کر موٹے حرفوں میں تختہ سیاہ پہ لکھدو -
۳- تعریف	کسی (آدمی - جانور - چیز - یا جگہ کے) نام کو اسم کہتے ہیں +	تعریف خود طلبہ سے نکلواؤ - یہ بات خوب سمجھا دو کہ کسی چیز کو اسم نہیں کہتے - صرف اُسکا نام اسم ہے - گاے جو ایک جانور ہے اِسم نہیں ہے - صرف اُسکا نام یعنی لفظِ گاے اسم ہے [۵] - طلبہ سے بار بار اجتماعی اور انفرادی

[۵] اس مطلب کو زیادہ ذہن نشین کرنیکے لئے کسی لڑکے سے پوچھو تمہارا کیا نام ہے؟ فرض کرو کہ اوس نے اپنا نام حمید بتایا - اب اُسکو سمجھا دو کہ تم خود اسم نہیں ہو - بلکہ تمہارا نام لفظ حمید اسم ہے +

سرخی	مضمون	طریقۂ تعلیم
۲ - مثالیں	گوبند دہلی جائیگا - اکبر نہیں آتا - راجارام کی کتاب میز پر رکھی ہے -	طور پر کہلاکر تعریف کو ذہن نشین کرو + اِن مثالوں میں سے بعض کو تختہ سیاہ پر لکھ کر اور بعض کو زبانی دریافت کرو - کہ ان میں کون کونسے لفظ اسم ہیں - اور کیوں ؟ (مثلاً گوبند اسم ہے - کیونکہ ایک شخص کا نام ہے - علیٰ ہذا القیاس) +

نتیجہ - سبق کی بڑی بڑی باتیں دُہراجاؤ - اُردو زباندانی کی کتاب کسی جگہ سے پڑھواؤ - اسمیں جو اسم آئیں - اُنکو دریافت کرو +

۳ - تحویل

تمہید - طلبہ سے نقدی اور ماپ تول کے معمولی پیمانے (جو اُنکو پہلے یاد کرائے گئے ہیں) پوچھو - اور کہو آج ہم تم کو اِن پیمانوں سے کام لینا بتاتے ہیں +

سرخی	مضمون	طریقۂ تعلیم
۱ - تعریف	تحویل وہ قاعدہ ہے جسکے ذریعہ سے کسی مقدار کو ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں بدلتے ہیں اور اُسکی قیمت میں فرق نہیں پڑتا	طلبہ سے اِس قسم کے سوال کرو - ایک آنہ - دو آنے - تین آنے میں کتنے پیسے - اور کتنی پائیاں ہوتی ہیں + ایک روپیہ - دو روپے - تین روپے چار روپے میں کتنے آنے - اور کتنی اٹھنیاں - چونیاں - دونیاں ہوتی ہیں + دریافت کرو کہ ۱۶ پیسے - ۲۴ پیسے - ۳۲ پیسے اور ۶۴ پیسے میں کتنے ادھنّے - آنے - دونیاں -

۱؎ اسم کی مشق کے لئے استاد مختلف طریقے نکال سکتا ہے - مثلاً طلبہ سے ان کے نام اور ان کے دوستوں اور رشتہ داروں کے نام پوچھے - مدرسہ کی چیزوں - گھر کے اسباب - چوپایوں - درندوں - پرندوں کھانے پینے کی چیزوں - مختلف شہروں کے نام دریافت کرے - اس طرح سبق بہت دلچسپ اور ذہن نشین

		چونیاں۔ ہوتی ہیں + ۲۴ پائی - ۳۶ پائی - ۴۸ پائی ۶۰ پائی اور ۸۰ پائی میں کتنے آنے ہوتے ہیں + ۳۲ آنے - ۶۴ آنے - ۹۶ آنے - ۱۲۸ آنے میں کتنے روپے ہوتے ہیں +
		اب یہ بات اخذ کراؤ - اور خوب ذہن نشین کردو کہ ایک دوانی اور آٹھ پیسے - ایک چونی اور ۱۶ پیسے ۲۴ پائی اور ۲ آنے وغیرہ قیمت میں برابر ہیں - بتاؤ کہ جس قاعدہ سے کسی مقدار کو ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں بدلتے ہیں - اور اُسکی قیمت میں کچھ فرق نہیں آتا - تحویل کہتے ہیں - تحویل کے معنی بتاؤ - ایک صورت سے دوسری صورت میں بدلنا اور قاعدہ کی وجہ تسمیہ نکلواؤ - تحویل کی تعریف بار بار کہلاکر ذہن نشین کرو +
۲ قسمیں	تحویل کی دو قسمیں ہیں (۱) اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ کی طرف (۲) ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ کی طرف	یہ دونو قسمیں امثلہ مذکورہ بالا - اور دیگر عام فہم مثالوں کے ذریعہ سے اخذ کراؤ +
۳ قاعدہ	(۱) اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ درجہ کی تحویل میں ضرب دیتے ہیں + (۲) ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی تحویل میں	دونو قاعدے طلبہ ہی سے مثالوں و سوالوں کے ذریعہ سے نکلواؤ - یہ بھی اخذ کراؤ - کہ قیمت برابر ہونے کی وجہ سے ادنےٰ درجہ کی رقم کا عدد ہمیشہ بڑا ہونا چاہیئے - اور اعلیٰ درجہ کا چھوٹا - اور چونکہ ضرب سے بڑا عدد حاصل ہوتا ہے - اور تقسیم سے

	تقسیم کرتے ہیں +	چھوٹا۔ اسلئے پہلی صورت میں ضرب اور دوسری صورت میں تقسیم کام لیتے ہیں
۴۔ عمل کا طریق	(۱) اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ درجہ کی طرف ا۔ ۵ روپے کی پائیاں بناؤ ۵ روپے ۱۶ ۸۰ آنے ۱۲ ۹۶۰ پائیاں جواب	نقدی کا پیمانہ دریافت کرکے پوچھو۔ کہ ایک روپے میں ۱۶ آنے ہوتے ہیں۔ تو ۵ روپے میں کتنے آنے ہوئے؟ (۸۰)۔ پوچھو اس میں کیا عمل ہوا؟ (ضرب) اِسی طرح پائیاں بنانے کے لئے سوال کرو پہلے خود بورڈ پر مثال حل کرکے عمل کا نمونہ دکھاؤ۔ پھر طلبہ سے سلیٹوں پر نکلواؤ +
	ب۔ ۲۷ روپے ۱۱ ر ۹ پائی کی پائیاں بناؤ؟ روپے ۲۷ ، آنے ۱۱ ، پائی ۹ ۱۶ ۴۳۲ آنے ۱۱ ۴۴۳ آنے ۱۲ ۵۳۱۶ پائیاں ۹ ۵۳۲۵ پائیاں جواب	دوسری مثال میں سمجھا دو۔ کہ ۲۷ روپے کے آنے بنا کر ۱۱ آنے جمع کئے ہیں۔ اِسی طرح آنوں کی پائیاں بنا کر ۹ پائیاں بھی جمع کی ہیں +
	(۲) ادنےٰ درجہ سے اعلےٰ درجہ کی طرف ۸۷۹۲ پائیوں کے روپے بناؤ؟	طلبہ سے بدستور نقدی کا پیمانہ دریافت کرو۔ اور سمجھا دو۔ کہ چونکہ ایک آنے میں ۱۲ پائیاں ہوتی ہیں۔ اِسلئے ہر ایک

	۱۲) ۲۹۷۸ (پائی ۱۶) ۲۴۸ (۲ // آنے ۱۵ // ۸ پائی آنے روپے ۱۵ // ۸ // ۲ جواب	رقم میں آنوں کی تعداد پائیوں کی تعداد سے بارھواں حصہ ہوگی - اسی طرح روپوں کی تعداد آنوں کی تعداد کا سولھواں حصہ ہوگی اسلئے تقسیم کا عمل کیا گیا ہے - اس بات پر بھی توجہ دلاؤ کہ تقسیم کے وقت جو آنہ - پائی باقی رہتا ہے اُسکو دائیں طرف ہٹا کر لکھدیتے ہیں
۵ ثبوت	عمل کے اُلٹ دینے سے یعنی ضرب کی حالت میں تقسیم اور تقسیم کی حالت میں ضرب کرنے سے جواب کی صحت کا ثبوت ہوجاتا ہے ٭	اُوپر کی مثالوں کو اُلٹ کر دکھاؤ - یعنی طلبہ سے جواب کی پائیوں کے روپے اور روپوں کی پائیاں بنواکر عمل کی صحت کا ثبوت دو طلبہ کو بتاؤ کہ اس طریق سے اپنے جواب کی صحت و غلطی کا حال تم خود معلوم کرسکتے ہو چند اور مثالوں سے اسکی توضیح کرو ٭

نتیجہ - سبق کی خاص خاص باتیں دُہرا جاؤ - اور مشقی سوالات حل کراؤ ٭

[یہاں نقدی ہی کے سکوں کی مثالیں لی گئی ہیں - ماپ تول کے پیمانوں کو بھی اسی پر قیاس کرو - مگر اس بات کا خیال رہے کہ جب ایک پیمانے کی کافی مشق ہوجائے اور طلبہ اُسکے استعمال پر حاوی ہوجائیں - اُسوقت دوسرا شروع کراؤ]

۴ - نقشہ[۱]

تمہید - طلبہ کو کسی جانور وغیرہ کی تصویر دکھا کر پوچھو کہ یہ کیا ہے ؟ اُن کو تصویر کا فائدہ بتاؤ - کہ بن دیکھی چیز کا خیال تصویر سے دل میں پیدا ہوجاتا ہے ؛

---

[۱] چونکہ یہ سبق بہت کم سن بچوں کو پڑھایا جاتا ہے - اسلئے اس کے دو حصے کرکے آدھا ایک روز اور آدھا دوسرے روز پڑھانا چاہئے -

سرخی	مضمون	طریقۂ تعلیم
تعریف	نقشہ دنیا یا دنیا کے کسی حصہ کی شکل ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں فلاں مقام کہاں کہاں واقع ہیں +	جس کمرہ میں جماعت بیٹھی ہے اُسکا نقشہ بورڈ پر کھینچو۔ اور اُس میں کمرہ کی چار دیواری میز کرسی۔ بینچ وغیرہ کے نشان بنا دو۔ تصویر اور نقشہ کا مقابلہ کرکے فرق بتاؤ۔ کہ تصویر میں ہر ایک حصہ کی شکل ہوبہو معلوم ہوتی ہے نقشہ میں صرف ایک طرف کی شکل معلوم ہوسکتی ہے۔ اب تمام مدرسہ۔ شہر۔ مُلک اور دنیا کے نقشہ کا تصوّر دلا کر طلبہ کے خیال کو وسعت دو۔ اور نقشہ کی تعریف نکلواؤ۔ دنیا کا نقشہ دکھا کر اسمیں ہندوستان دکھاؤ اسی طرح ایشیا کے نقشہ میں دکھاؤ۔ پھر خود ہندوستان کا نقشہ دکھاؤ +
طرفیں	نقشہ میں شمال اُوپر جنوب نیچے۔ مشرق دائیں ہاتھ	طلبہ سے چاروں طرفوں[1] کے نام اور پہچاننے کا طریق دریافت کرو۔ بورڈ پر ایسی شکل بناؤ۔
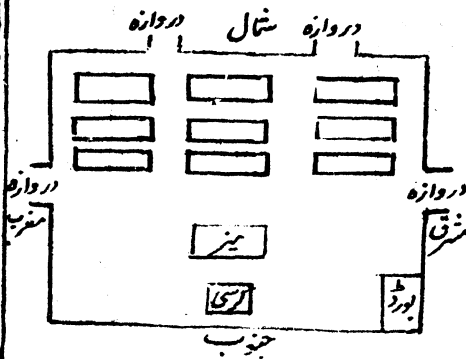
[1] نقشہ کا سبق شروع کرنے سے پہلے چاروں سمتوں اور چاروں گوشوں کی عام واقفیت ضروری ہے
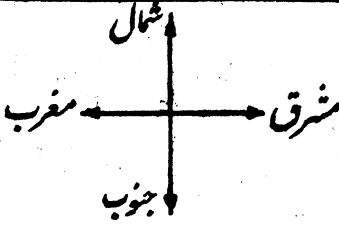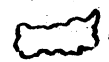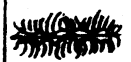
	اور مغرب بائیں ہاتھ ہوتے ہیں +	شمال مشرق ← → مغرب جنوب اور نقشہ میں اِن سمتوں کی پہچان بتاؤ - ایک کاغذ کا ٹکڑا میز پر رکھکر کمرہ کی چار دیواری کا نقشہ بناؤ۔ پھر اُسکو شمال اُوپر کی طرف کرکے لٹکاؤ۔ اور طرفیں دریافت کرو +
۳ پیمانہ	نقشہ کسی پیمانہ پر بنایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک میل کی جگہ ایک فٹ یا ایک انچ وغیرہ	سلیٹ یا کتاب کا نقشہ بورڈ پر رکھکر اُسکی برابر کھینچو۔ اور یہ بات نکلواؤ کہ چھوٹی سی چیز کا پورا نقشہ بنا سکتے ہیں۔ کمرہ کا نقشہ کمرہ کے برابر بورڈ پر نہیں بنا سکتے۔ البتہ اگر ایک گز کی جگہ ایک انچ یا آدھ انچ رکھ لیں تو اُسکا نقشہ تھوڑی سی جگہ میں بن سکتا ہے۔ اب کمرہ کو ماپ کر کسی خاص پیمانہ کے موافق اُسکا نقشہ بورڈ پر بنا کر دکھاؤ + پیمانہ کے معنی سمجھاؤ۔ اور طلبہ سے نکلواؤ۔ کہ شہروں یا ملکوں کا نقشہ بناتے وقت اِس سے بھی کم پیمانہ رکھنا پڑتا ہے مثلاً میل۔ دس میل۔ سو میل کی جگہ ایک انچ یا نصف انچ یا اس سے بھی کم۔ ضلع کے نقشہ صوبہ کے نقشے۔ اور ہندوستان کے نقشہ میں اِس امر کا ثبوت دو۔ ہر نقشہ کا پیمانہ اِس نقشہ میں دکھاؤ

۴- نشانات	شہر کا نشان ○ دریا کا نشان جھیل کا نشان پہاڑ کا نشان ریگستان کا نشان	زمین پر شہروں۔ دریاؤں۔ جھیلوں۔ پہاڑوں ریگستانوں کے ہونے کا تصور دلاؤ۔ شہروں کا تصور طلبہ کے اپنے شہر یا گاؤں سے دریاؤں کا قریب کے دریا یا ندی نالوں سے جھیلوں کا کچے تالابوں سے۔ پہاڑوں کا ٹیلوں سے۔ ریگستانوں کا ریتلی زمینوں سے۔ جس سے طلبہ واقف ہوں۔ مختلف نشانوں کی ضرورت اخذ کراؤ۔ ہر نشان کی شکل تختہ سیاہ پر بناؤ + ضلع کے نقشہ اور ہندوستان کے نقشہ میں یا تصویر نما نقشوں میں شہر۔ دریا۔ پہاڑ وغیرہ کے نشانات دریافت کرو +
۵- استعمال اور فائدے	جغرافیہ (دنیا کا حال) نقشہ ہی کے ذریعہ سے سکھایا جاتا ہے۔ (مثلاً دنیا کے بڑے بڑے حصے۔ مشہور شہر۔ دریا۔ جھیل۔ پہاڑ۔ انکی جگہ وسعت سمت۔ فاصلہ وغیرہ) +	طلبہ سے پھر تصویر کے فائدے پوچھو۔ کمرہ کے نقشہ میں۔ میز۔ کرسی وغیرہ کی جگہ پوچھو۔ اسکی وسعت سمت اور باہمی فاصلہ دریافت کرو۔ ایسے ایسے سوالوں سے نقشوں کے فائدے طلبہ سے اخذ کراؤ + مختلف نقشوں میں ملکوں۔ شہروں وغیرہ کی جگہ اور سمت دریافت کرو۔ انکی وسعت اور فاصلہ کا باہم مقابلہ کراؤ۔ اور بہت سی مثالوں سے اسکی توضیح کرو +

نتیجہ۔ مضمون سبق کا اعادہ کراؤ +

۵ - سونا

تمہید - سونے کا سکہ یا زیور دکھا کر پوچھو - یہ کیا ہے - اور کس چیز سے بنا ہے؟ سونے سے اب اِس لفظ کے ہجے کرا کر بورڈ پر لکھدو +

سرخی	مضمون	طریقۂ تعلیم
۱ - خاصیتیں	(۱) رنگ زرد - چمکدار	(۱) اور دھاتوں سے مقابلہ کرو - مثلاً لوہے تانبے - سیسے کے ٹکڑے دکھا کر زرد اور چمکدار نکلواؤ - پیتل - کانسی کے ٹکڑے دکھا کر سب سے زیادہ زرد ہونا اخذ کراؤ - سنہری رنگ کے معنی سمجھاؤ +
	(۲) زنگ نہیں لگتا	(۲) زنگ آلودہ لوہے کا ٹکڑا دکھاؤ - بتاؤ کہ نم ہَوا یا پانی کے اثر سے اور دھاتوں کو زنگ لگ جاتا ہے - سونا اِس نقص سے بری ہے +
	(۳) بھاری - پانی سے ۱۹ گُنا -	(۳) بتاؤ سب دھاتوں سے بھاری ہے - جس برتن میں ایک چھٹانک پانی آتا ہے اگر اسمیں سونا پگھلا کر بھریں تو ۱۹ چھٹانک آئیگا
	(۴) مُلائم	(۴) سونے کی چوڑی کے آسانی سے کُھل جانے اور بند ہو جانے سے یہ خاصیت نکلواؤ - خالص سونے کو سوئی یا چاقو سے کُھرچ کر دکھاؤ سیسے کو اسی طرح کر کے دکھاؤ - مُلایم کے معنی سمجھاؤ
	(۵) کُٹ سکتا ہے - اسکے نہایت ہی پتلے پتلے ورق	(۵) سونے کا ورق دکھا کر یہ خاصیت اخذ کراؤ اِس خاصیت کے متعلق نمبر لہ و ب کو بیان

عنوان	معلومات	طریقہ
	بن سکتے ہیں +	کر کے طلبہ کو تعجب دلاؤ۔ ایک انچ کا طول ماپ کر دکھاؤ۔ ایک مربع انچ اور ۵۶ مربع انچ کے معنی بتاؤ۔ اور اُنکی سطح بورڈ پر بنا کر دکھاؤ +
	(ا) ۲۸۲۰۰۰ ورق اُوپر تلے رکھیں تو صرف ایک انچ موٹائی ہوگی +	
	(ب) ایک گرین سونے کو کوتکر ۵۶ مربع انچ کا ورق بنا سکتے ہیں +	ایک گرین سونے کا ٹکڑا دکھاؤ۔ اور بتاؤ کہ گرین کوئی نصف رتی کا ہوتا ہے +
	(۶) تار کھینچ سکتا۔ ہے سب دھاتوں میں زیادہ باریک اسی کا بن سکتا ہے۔ ایک گرین سونے کا تار ۷۰۰ فٹ لمبا کھینچ سکتے ہیں +	(۶) سونے کا نہایت ہی باریک تار دکھاؤ ۷۰۰ فٹ لمبائی فیتہ سے ماپ کر تصور دلاؤ
	(۷) پگل جاتا ہے۔ مگر مشکل سے لوہے کے سوا سب دھاتوں سے زیادہ آنچ کھاتا ہے +	(۷) پوچھو سُنار زیور بنانے سے پہلے سونے کو کیا کرتا ہے۔ اِس سے پگلنے کی خاصیت نکلواؤ۔ لوہار کے لوہا نرم کرنے کے عمل سے مقابلہ کرو +
۱- استعمال اور فوائد	(۱) سکے بنتے ہیں۔ ہر سکہ میں گیارہ حصے سونا اور ایک حصہ تانبا ہوتا ہے +	(۱) اشرفی دکھا کر اخذ کراؤ سکے کیوں بنتے ہیں؟ یہ دھات سب سے زیادہ قیمتی اسے زنگ نہیں لگتا۔ سونے۔ چاندی اور دیگر دھاتوں کی قیمت کا مقابلہ کر کے قیمتی ہونا اخذ کراؤ۔ اور خاصیت

نمبر ۲ پر توجہ دلاؤ +
خالص سونے کی انگوٹھی اور اشرفی
کو چاقو سے کھرچ کر دکھاؤ - اور خاصیت
نمبر ۴ پر توجہ دلا کر تانبا ملانے کی وجہ
اخذ کراؤ - کہ سکے سخت ہو جاتے ہیں
اور جلدی نہیں گھِستے" +

(۲) زیور - گھڑی - زنجیر - برتن - بٹن وغیرہ بنتے ہیں +

(۲) طلبہ سے بعض زیوروں اور دوسری چیزوں کے نام دریافت کرو جو سونے سے بنتی ہیں +

(۳) گوٹہ - کناری - پیمک - کلابتو سونے کے تار سے بنتے ہیں +

(۳) ان چیزوں کے نمونے دکھا کر نام پوچھو - نہ بتا سکیں تو خود بتاؤ +

(۴) زیور اور برتنوں پر ملمع چڑھاتے ہیں +

(۴) برتنوں پر رنگ کی قلعی چڑھانے سے مقابلہ کرو - سونے کے قیمتی ہونے پر توجہ دلاؤ - اور یہ بات نکلواؤ کہ خالص سونے کے زیور اور برتنوں پر ہزاروں روپے صرف ہونگے اسلئے اکثر سونے کا ملمع اُن پر چڑھا دیتے ہیں

۳۔ پیدائش

سونا تین حالتوں میں زمین سے نکلتا ہے -

اول - سونے کی خاصیت نمبر ۳ پر توجہ دلا کر یہ بات نکلواؤ کہ سونا بھاری ہونے کی وجہ سے نیچے بیٹھ جاتا ہے - اور ریت پانی کے ساتھ گھل کر نکل جاتی ہے +

(۱) ننھے ننھے ذرّے - دریاؤں کی ریتی میں ملے ہوئے - ریت کو پانی میں دھو دھو کر سونا نکالتے ہیں

	(۲) ڈلے کے ڈلے - یہ بالکل خالص ہوتے ہیں - انہیں صرف دھونا پڑتا ہے +	دوم - سونے کی ڈلی دکھا کر تصوّر دلاؤ - دھونے کی وجہ نکلواؤ +
	(۳) سنگ سفید کے ساتھ ملا ہوا پتھر کو کوٹ کر چورا کرتے ہیں پھر دھو لیتے ہیں - سونے کی بڑی بڑی ڈلیاں چن لیتے ہیں پتھر کا چورا اور سونے کے ذرّے باقی رہجاتے ہیں - اسمیں پارا ملاتے ہیں - سارا سونا پارے میں ملجاتا ہے - اسکو بھپکے میں ڈالکر حرارت پہنچاتے ہیں - پارہ بھاپ بنکر اُڑجاتا ہے خالص سونا رہجاتا ہے	سوم - بتاؤ کہ پتھر کا چورا زیادہ بھاری ہوتا ہے - پانی کے ساتھ گھل سکتا ہے اسلئے سونے کے ننھے ننھے ذرّے دھونے سے جدا نہیں ہوسکتے - تھوڑا سا پارہ طلبہ کو دکھاؤ - پارے کے اُڑنے کی تمثیل عطاروں کے گلاب کھینچنے کے عمل سے دو - بھپکے کی شکل تختۂ سیاہ پر بناکر دکھاؤ +
مقامات	سونا ان ملکوں میں بہت ہوتا ہے (۱) ایشیا میں روس - جاپان - ہندوستان - ہندوستان میں اکثر دریاؤں کی ریتی میں اور خاصکر مغربی گھاٹ کی چٹانوں میں +	ان مقامات کو بتاکر نقشہ پر دکھاؤ
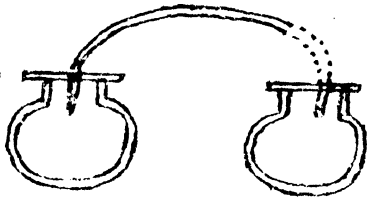
(۲) امریکہ میں - کیلی فورنیا - کالمبیا مکسیکو - پیرو - چلی - برازیل بولویا +	
(۳) آسٹریلیا میں نیوزیلینڈ - کوئنزلینڈ - وکٹوریا - نیوسوتھ ویلز	

نتیجہ - سبق کی بڑی بڑی باتیں دہراؤ +

فصل چہارم - طرز تعلیم

۲۶ - **طرز تعلیم کی قسمیں** تعلیم دینے کے دو طرز ہیں لکچر کا طرز اور سوال و جواب کا طرز +

(۱) لکچر - اسکا مطلب یہ ہے کہ اُستاد ہر ایک بات خود بتاتا جائے - اور شاگرد بیٹھے سُنا کریں +

(۲) **سوال و جواب** - اِسکے یہ معنی ہیں کہ اُستاد اثنائے تعلیم میں سوال پُوچھتا جائے - اور جواب لیتا رہے +

اِن دونو طرزوں کے علاوہ تعلیم کا طرز ایک اور بھی ہے - اِس سے ہماری مراد ہے گھر پہ کام بتانا - جس کا مقصد یہ ہے کہ معلم طلبہ کو کچھ کام بتائے - اور وہ خود اسکو پورا کریں - خواہ گھر پہ - خواہ مدرسہ میں - لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ کوئی جداگانہ طرز نہیں ہے - بلکہ ہر دو طرز مذکور کا تتمہ ہے +

۲۷ - **لکچر کا طرز** - یہ طرز صرف اعلیٰ جماعتوں اور مستعد طلبہ کی تعلیم میں مفید ہوسکتا ہے - چنانچہ کالجوں میں یہی طرز استعمال کیا جاتا ہے - مگر سکولوں میں عموماً - اور چھوٹے بچوں کی تعلیم میں خصوصاً - اِس طرز کو

کبھی بھولکر بھی اختیار نہیں کرنا چاہئے - ورنہ تعلیم میں طرح طرح کے نقص عائد ہونگے - مثلاً

(۱) معلم کو کچھ خبر نہوگی - کہ جو باتیں وہ طلبہ کو بتا رہا ہے - اُنکی استعداد کے موافق ہیں یا نہیں - اور سبق اُنکے دل پر نقش ہوا یا نہیں +

(۲) بچے دل لگا کر سبق کی طرف توجہ نہیں کرینگے - کیونکہ ان میں یہ قوت موجود نہیں ہوتی +

(۳) اُنکے دلوں میں کام کرنے کا مادّہ اور شوق پیدا نہیں ہوگا - اور بولنا اور جواب دینا بھی اُنکو نہ آئیگا +

(۴) اُنکے قوائے عقلیہ پر مطلق زور نہ پڑیگا - اگر سب باتیں اُستاد ہی اُنکو بتا دیا کریگا - یا لکھا دیا کریگا - تو اُنکو اپنی عقل لڑانے کی کوئی ضرورت نہوگی

۲۸ - سوال و جواب کا طرز - لکچر کے طرز میں جسقدر خرابیاں ہیں اُنکا تدارک سوال و جواب کے طرز سے ہو جاتا ہے - یا یوں کہو کہ جو فائدے سوال و جواب کے طرز سے ہیں - لکچر سے حاصل نہیں ہو سکتے - چنانچہ

(۱) اُستاد کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ طلبہ کی لیاقت کسقدر ہے - اور اُن کی مشکلات کیا ہیں ؟ اور اُسی کے موافق تعلیم کا ڈھنگ اختیار کر سکتا ہے

(۲) طلبہ سبق پر متوجہ رہتے ہیں - کیونکہ اُنکو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ایسا نہو اُستاد ہم سے کوئی سوال پوچھ لے +

(۳) طلبہ میں اظہار خیالات اور ٹھیک جواب دینے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے - یہ عام قاعدہ ہے کہ جو لوگ اکثر خاموش رہتے ہیں - اُنکی قوت گویائی ضعیف ہو جاتی ہے - اور وہ اپنے خیالات کو اچھی طرح ظاہر نہیں کر سکتے +

(۴) چونکہ اُستاد سبق کے مطالب کو طلبہ ہی سے اخذ کراتا ہے - اسلئے اُنکے

قولے عقلیہ پر بھی زور پڑیگا +

(۵) طلبہ کا امتحان ہوتا رہتا ہے - اور اُنکو بذات خود علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے +

اگرچہ سوال وجواب کی طرز میں بہت سے فائدے ہیں - تاہم مدارس میں صرف اس طرز کو کام میں نہیں لانا چاہیئے + عمدہ طرز تعلیم وہی ہے جسمیں دونو طرزوں کو اندازہ مناسب کے ساتھ ملاکر استعمال کیا جائے - لکچر کا طرز تو اسوجہ سے کہ جس بات کو طلبہ خود دریافت نہیں کرسکتے - یا جسکے دریافت کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوتا ہے - اُس بات کو اُستاد بتا دے - اور سوال وجواب کا طرز اسواسطے کہ اُسکو معلوم ہو جائے - کونسی باتیں طلبہ کو بتانی چاہئیں - اور جو باتیں وہ آسانی کے ساتھ دریافت کرسکتے ہیں - اُنکو حتی الامکان خود ہی دریافت کریں +

اب ہم سوالات وجوابات کا حال اور ہر ایک کی قسمیں جدا جدا بیان کرینگے +

اول - سوالات

۲۵ - اقسام سوالات - سوالات کی تقسیم دو طرح ہوسکتی ہے - (۱) بلحاظ اغراض سوال - (۲) بلحاظ ہیئت سوال +

(۱) اغراض کے اعتبار سے سوالات کی تین قسمیں ہیں - ابتدائی سقراطی امتحانی +

(ا) ابتدائی سوالات - یہ سوالات سبق سے پہلے کئے جاتے ہیں - اِن سے یہ غرض ہوتی ہے - کہ اُستاد کو طلبہ کی لیاقت ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے تاکہ اُنکی واقفیت سابقہ کو نئے سبق کا عنوان بناکر تعلیم دینی شروع کرے +

(ب) **سقراطی سوالات** - انکو گفتگوئے سقراطی یا سوالاتِ تحقیقی بھی کہتے ہیں - ایسے سوالوں سے یہ غرض ہے - کہ اصل حقیقت یا نئی باتوں کو طلبہ خود دریافت کریں - اس میں اُستاد کو کچھ بتانا نہیں پڑتا - سب باتیں طلبہ ہی سے نکلوا لینا ہے +

(ج) **سوالات امتحانی** - اِن سوالوں سے یہ غرض ہے کہ جو کچھ طلبہ نے پڑھا ہے اُسکا امتحان ہو جائے کہ اُنکو صحت کے ساتھ آگیا ہے یا نہیں +

۲ - **ہیئت یا صورت** کے اِعتبار سے بھی سوالات کی تین قسمیں ہیں - انفرادی اِجتماعی - جماعتی -

(ا) **اِنفرادی سوالات** وہ ہیں جو ایک ایک طالب علم سے فرداً فرداً پوچھے جائیں

(ب) **اِجتماعی سوالات** وہ ہیں جو کل جماعت سے پوچھے جائیں - اور سب لڑکوں سے ایک ساتھ جواب لیا جائے +

(ج) **جماعتی سوالات** - اِسمیں انفرادی اور اجتماعی دونو طرزوں کو ملا دیا جاتا ہے +

۳ - **ابتدائی سوالات** - اِس امر کا تصفیہ کہ نئی تعلیم کس حد سے شروع ہونی چاہئے - صرف ابتدائی سوالات پر منحصر ہے - پس اِن سوالات کی بابت عام ہدایت یہی ہے کہ اُستاد سبق پڑھانے سے پہلے پے درپے سوالات

۱؎ سقراط - زمانہ قدیم میں یونان کا نامی گرامی حکیم ہوا ہے چونکہ اسکے ہموطن سچے اصول اور اخلاقی مسائل سے بے بہرہ تھے - اس نے ان کے خیالات کی اصلاح کا بیڑا اوٹھایا مگر بجائے اسکے کہ انکو واقعات صحیحہ کی تعلیم دینے کا دعوی کرے اسنے ان سے اس طرز کے سوالات کرنے شروع کئے کہ رفتہ رفتہ وہ خود اصل حقیقت تک پہونچکر اپنی غلطی کے مقر ہو گئے - برعکس اس کے اگر سقراط صاف صاف طور پر اُن سے کہتا کہ تم غلطی پر ہو تو اسکی کوئی نہ سنتا ÷÷÷

پوچھتا رہے - یہاں تک کہ اُسکو بخوبی معلوم ہو جائے - کہ طلبہ کی استعداد کس حد تک ہے - اِسلئے ضرور ہے کہ یہ سوالات

(۱) مختصر ہوں - تاکہ سبق کے لئے وقت باقی رہے - تمام وقت سوالوں ہی میں صرف ہنو جائے +

(۲) گہرے اور تہ دار ہوں - تاکہ ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے - کہ طلبہ کو کیا آتا ہے - اور کیا ہنیں آتا ؟

اِن سوالوں سے یہ فائدے ہیں :-

(۱) نئے سبق کے لئے رستہ صاف ہو جاتا ہے +

(۲) طلبہ کی طبیعت اُس طرز کی عادی ہو جاتی ہے - جس طرز سے تحصیل علم ہونی چاہیئے

(۳) طلبہ کو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے - کہ اُنکے علم کی وسعت کہاں تک ہے - یعنی اُنکو کیا آتا ہے اور کیا ہنیں آتا - اِس عادت کا پیدا ہونا تحصیل علم کے لئے نہایت مفید ہے +

(۴) طلبہ کو نئی معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے - اور سبق پر توجہ بھی جم کر کرتے ہیں +

۱۱۳ - سقراطی سوالات - تعلیم کا معمولی کام انہی سوالات کے ذریعہ سے چلتا ہے چونکہ مقصد ان سوالوں سے یہی ہے - کہ طلبہ خود بخود اصل حقیقت تک پہنچ جائیں - اِسلئے ان میں اُمور مندرجہ ذیل کا لحاظ رکھنا لازم ہے +

(۱) سوالات کی ترتیب منطقی ہونی چاہیئے - یعنی اُن کا سلسلہ اس قسم کا ہو کہ ایک سوال سے جو نتیجہ یا جواب نکلا ہے وہ دوسرے سوال میں کام آئے

(۲) جو بات طلبہ سے اخذ کرانی ہے معلم کو خود ہنیں بتانی چاہیئے - جن وسائل سے اصل حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں - وہ دکھائی جائیں - مگر وہ

حقیقت نہ بتائی جائے +

(۳) اگر کسی سوال کا جواب نہ ملے تو ایک دو قدم پیچھے ہٹنا - اور اُسی سوال کے ایک دو سیدھے سادے جزو کرکے آسان طرز سے پھر پوچھنا چاہئیے +

(۴) اِن سوالوں میں وقت کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہئیے - مقدم بات یہ ہے طلبہ خود اُس کام کو کریں خواہ کتنا ہی وقت صرف ہو +

(۵) کسی شے کی نسبت یہ فرض نہیں کرلینا چاہئیے - کہ طلبہ اسکو جانتے ہیں - جبتک خوب تحقیق نہو جائے کہ فی الواقع وہ اُسکو جانتے ہیں +

(۶) یہ سوالات طلبہ کی لیاقت سے باہر نہیں ہونے چاہئیں - بلکہ اُنکی استعداد کے موافق آسان یا مشکل ہونے چاہئیں +

اگرچہ ایسے سوالات فی نفسہ نہایت مفید اور تعلیم کے ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہیں - تاہم اُنکو طرز تعلیم کا ایک جزو سمجھنا چاہئیے - جس میں لکچر اور سوالات دونو ملے ہوئے ہوتے ہیں (دیکھو دفعہ ۲۸) +

۳۲ - نمونہ سوالات سقراطی - یہاں سوالات سقراطی کا ایک نمونہ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے - تاکہ معلموں کو ایسے سوالوں سے واقفیت ہو جائے فرض کرو - سقراط کا مطلب یہ ہے کہ ایک لڑکے کو خود بخود یہ بات معلوم ہو جائے کہ اگر کسی مستطیل کے چاروں ضلع دوچند کر دیے جائیں - تو اُسکی سطح دُگنی نہیں بلکہ چوگنی ہو جائیگی - اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے سقراط سوال کرتا ہے اور لڑکا جواب دیتا ہے +

سقراط (تختہ سیاہ پر ایک شکل مستطیل کھینچکر) یہ شکل ا ب س د کیسی ہے

د ا س ب

لڑکا - جناب یہ مستطیل ہے -
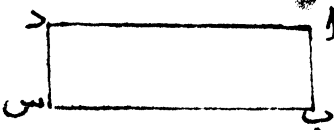
سقراط - مستطیل کیوں ہے ؟

لڑکا - اِسواسطے کہ اسکے سب زاویے (ا ب - س - د) قائمے ہیں - اور مقابل کے ضلع (ا د - ب س - اور ا ب - د س) باہم برابر ہیں +

سقراط - بھلا اگر اس مستطیل کے چاروں ضلعے دُگنے کردیے جائیں تو اُسکی سطح کیا ہوگی

لڑکا - جناب سطح بھی دوچند ہوگی

سقراط - بھلا ہم اس مستطیل کے چاروں ضلعوں کو دوچند کرتے ہیں - د ا اور س ب کو ا اور ب کی طرف بڑھاتے ہیں اور ا ب اور د س کو ب اور س کی طرف - جیسا کہ شکل سے ظاہر ہے - اب بتاؤ تو سہی کہ ی گ - ج د کیسی شکل بنے گی ؟

لڑکا - جناب یہ بھی مستطیل ہے +

سقراط - یہ مستطیل پہلے مستطیل سے کے گُنا ہے ؟

لڑکا - چوگنا ہے +

سقراط - یہ کیا ہوا - یہ تو تمہارے کہنے کے موافق دُگنا نہوا بلکہ چوگنا ہوگیا +

لڑکا - بیشک جناب یہ تو چوگنا ہوگیا +

سقراط - اِس سے عام نتیجہ کیا نکلا ؟

لڑکا - اگر کسی شکل مستطیل کے سب ضلعوں کو دوگنا کردیا جاوے - تو اُسکا رقبہ پہلے سے چوگنا ہوگا +

اِس مثال سے ظاہر ہے کہ لڑکے نے جو غلطی کی تھی اُسکو کیسی اچھی طرح درست کیا کہ وہ خود بخود مطلب صحیح کی طرف آگیا +

۳۳ - اِمتحانی سوالات - چونکہ امتحانی سوالات کی غرض اور قسم کے سوالوں سے مختلف ہے - اِسلئے انکے قاعدے بھی علیحدہ ہیں - ان سوالوں میں یہ وصفت ہونے چاہیئں

(۱) **سوالات تہ دار ہوں**۔ تاکہ جن طلبہ نے سبق کو سرسری طور پر یاد کیا ہے اُسکی قلعی کھل جائے۔ اور جنہوں نے محنت اُٹھا کر یاد کیا ہے۔ انکو اپنی محنت کی داد ملجائے +

(۲) اس غرض سے سبق کی **مشکل باتوں** کو زیادہ زور دیکر پوچھنا چاہیئے۔ اور جو باتیں صاف اور سہل ہوں اُنپر زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہیئے +

(۳) **سوالات مقررہ سبق کی حد سے باہر نہوں**۔ یعنی جتنا سبق طلبہ یاد کرکے لائے ہیں اُسکے اندر اندر سوال ہونے چاہیئیں +

(۴) ایسے سوال نہیں ہونے چاہیئیں جن میں جواب کا کچھ حصہ ملا ہوا ہو۔ یا جواب کی طرف اشارہ ہو +

۴۳۔ اقسام سہ گانہ کا باہمی تعلق۔ سوالوں کی جو تین قسمیں اب تک بیان ہوئیں یعنی ابتدائی۔ سقراطی۔ اِمتحانی۔ اُنکے امتحان کا موقع ہمیشہ ملتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ اُنکو جدا جدا کام میں لائے۔ بلکہ ساتھ ساتھ ایک سبق میں استعمال کرسکتا ہے +

ابتدائی سوالات تو سبق پڑھانے سے پہلے ہی ہوا کرتے ہیں۔ مگر اثنائے سبق میں سقراطی اور اِمتحانی سوالات کا بھی ساتھ ساتھ کام پڑتا ہے۔ مثلاً زبانی تعلیم میں جیسے اشیا کے سبق ہیں۔ جو باتیں بذریعہ سوالات سقراطی طلبہ سے اخذ کرائی گئی ہیں۔ سبق کے آخر میں اِن ہی باتوں کو امتحانی سوالات کے ذریعہ سے دریافت کیا جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ طلبہ اُنکو سمجھ گئے ہیں یا نہیں یا مثلاً طلبہ سبق یاد کرکے لائے ہیں اور معلم اُنکا امتحان لے رہا ہے۔ تو بعض اوقات ایسا موقع پیش آجاتا ہے۔ کہ چند ضروری باتوں کو زیادہ توضیح و تشریح کے ساتھ سمجھانا پڑتا ہے۔ اُسوقت سقراطی سوالات سے کام لیا جاتا ہے +

سوالات کی یہ دونو قسمیں ایک دوسرے کے ساتھ اسقدر وابستہ ہیں - کہ ناتجربہ کار آدمی اِن میں تمیز نہیں کرسکتا۔ معلم کو لازم ہے کہ ان دونو کو بخوبی سمجھے کیونکہ عمدہ تعلیم کی غرض سے انکا ملانا ضروری ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ایک قسم کو چھوڑکر دوسری کو اختیار کرنا پڑتا ہے +

۳۵- اچھے اور ناقص سوال ۔معقول اور درست سوال پوچھنے

سے طلبہ کو تعلیم کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جب اُنکو معلوم ہوجائیگا کہ ہمارا پورا پورا اِمتحان ہوگا۔ اور جو محنت سے سبق یاد کرکے لائیگا۔ اُسکی تعریف ہوگی۔ تو اُنکو خود بخود محنت کا خیال پیدا ہوگا +۔ برعکس اسکے اگر سوالات ادھورے نامناسب اور بے ٹھکانے ہونگے تو اُنکو بچ جانے کا موقع ملیگا۔ اور سبق کو صرف سرسری طور پر کچا پکا یاد کرکے لائیں گے +

اچھے سوالوں کے خواص سات ہیں +

(۱) محدود ہوں یعنی ہرسوال کا ایک ہی جواب ہوسکے - ورنہ طلبہ اٹکل پچو جواب دینگے۔ اور یہ عادت سخت مضر ہے +

(۲) صاف ہوں اور صفائی کے ساتھ ادا کیے جائیں۔ تاکہ انکا مطلب سمجھنے میں دقت نہو +

(۳) مختصر ہوں۔ یعنی کم سے کم الفاظ میں ادا کیے جائیں - لمبے - چوڑے سوالوں کا مطلب اکثر سمجھ میں نہیں آیا کرتا +

(۴) معقول ہوں۔ اُسکا مطلب یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد اور سمجھ سے باہر نہوں۔ اگر بہت مشکل سوال کیے جائیں تو اس سے دو نتیجے پیدا ہونگے -

(۱) قیاس یعنی اٹکل پچو جواب دینا۔ اور (۲) خاموشی یعنی مطلق جواب دینا یہ دونو عادتیں تعلیم کے لیے مضر ہیں +

(۵) جواب کی طرف اشارہ نکریں۔ اگر سوال ہی سے جواب کا پتہ مل گیا۔ تو طلبہ کی عقل پر بالکل زور نہیں پڑیگا +

(۶) کتابی نہوں۔ یعنی کتاب ہی کی عبارت میں ادا نہ کئے جائیں۔ ورنہ بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح یاد کرکے جواب دیسکتے ہیں + اسلئے مناسب ہے کہ معلم کتاب کی عبارت کو بدلکر اپنی عبارت میں سوال پوچھے۔ اور طلبہ سے بھی انہی کی عبارت میں جواب لے۔ یہ عام قاعدہ ہے۔ مگر بعض صورتوں میں کتاب ہی کے لفظوں میں جواب لینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً صرف نحو کی اصطلاحات۔ اقلیدس کی حدود وغیرہ +

(۷) ایسے نہوں جنکا جواب صرف ہاں یا نہیں ہو سکتا ہو۔ کیونکہ ان میں کچھ سوچنا نہیں پڑتا۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اِس قسم کے سوالوں سے چارہ نہیں۔ مثلاً طلبہ سے کسی نتیجہ کے اخذ کرالنے کے لئے بہت سی گفتگو کے بعد آخر میں ایسا سوال آجاتا ہے۔ جس کا جواب صرف "ہاں" یا "نہیں" ہوتا ہے۔ مگر اس صورت کو مستثنےٰ خیال کرنا چاہیئے +

عمدہ سوالوں سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو بلا وساطت صاف و صحیح طور پر غور و خوض کی عادت پیدا ہو۔ پس ناقص سوالات (جو عمدہ سوالات کی ضد ہیں) طلبہ کے عقل لڑانے اور غور و فکر کرنے میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ اور غفلت اور بے توجہی کی عادت پیدا کرتے ہیں + بیان مندرجہ بالا کی رو سے ناقص سوالات کی بھی حسب ذیل سات قسمیں ہیں +

(۱) غیر محدود یعنی وہ سوال جن کے معنی بہت وسیع ہوں۔ مثلاً "ہم کو کیا کرنا چاہیئے" "ہندوستان کے جغرافیہ کا حال لکھو" وغیرہ

(۲) مبہم یا مشتبہ۔ جن میں کسی لفظ یا اصطلاح و یا شبہ کے باعث ایک سے

زیادہ جواب ہو سکتے ہوں +

(۳) **طویل** - یعنی وہ سوال جو لمبی چوڑی عبارت میں ادا کئے جائیں

(۴) **غیر معقول یا ادق** - جن کا جواب دینا طلبہ کی بساط سے باہر ہو۔ اگر ایسا سوال کیا جائے جس کا جواب کوئی طالب علم نہ دیسکے - تو عموماً مُعلّم پر الزام ہے - کہ اس نے جماعت کی لیاقت کا اندازہ نہیں کیا - لیکن کبھی کبھی کسی بات کی طرف **شوق** اور توجہ دلانے کے لئے عمداً معلم کو ایسا سوال پُوچھنا پڑتا ہے +

(۵) **جواب کی طرف اشارہ کرنیوالے** یا ایسے سوال جن میں جواب **داخل ہو**۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معلم غیر محدود سوال پوچھتے پوچھتے جب اُسکو کوئی جواب نہیں ملتا - تو اس قسم کے سوال کرنے لگتا ہے - مثلاً فرض کرو کہ اُستاد نے سوال کیا - "سیسہ کی کوئی اور خاصیت بتاؤ" اور طلبہ نے جواب نہ دیا - یا جو جواب اُستاد چاہتا ہے وہ نہ ملا - اسوقت وہ پہلے سوال کو بدلکر غالباً اِس طرح سوال کریگا - کہ "سیسہ نرم ہے یا سخت" پہلا سوال غیر محدود ہے اور دوسرا جواب کی طرف اشارہ کرنے والا +

(۶) **کتابی** - جو لفظ بلفظ کتاب کی عبارت میں ادا کئے جائیں +

(۷) ایسے سوال جن کا جواب صرف **"ہاں یا نہیں"** ہو سکتا ہو +

۳۶ - اِنفرادی سوالات - چونکہ جماعت بہت سے افراد کا مجموعہ ہے - اسلئے بادی النظر میں قیاس یہی چاہتا ہے - کہ طلبہ سے فرداً فرداً سوالات پُوچھے جائیں مگر غور سے دیکھا جائے تو اس قسم کے سوالوں سے یہ **نقصان** ہیں +

(۱) جب معلم ایک طالب علم سے سوال کرتا ہے تو باقیوں کی توجہ قائم نہیں رہ سکتی

(۲) ہر ایک طالبعلم کو تعلیم کا صرف تھوڑا سا حصہ ملتا ہے - **تمام تعلیم سے تمام**

جماعت مستفید نہیں ہو سکتی +

اگر جماعت میں تعداد طلبہ کم ہو - اور جلد جلد سوال پوچھے جائیں - تو یہ نقص کسیقدر رفع ہو سکتے ہیں - بڑی جماعتوں میں بھی اس خرابی کا کسیقدر تدارک اس طرح ہو سکتا ہے - کہ معلم باری باری سوال نکرے - بلکہ بے ترتیب جس طالب علم سے چاہے سوال پوچھ لے - اس ترکیب سے تمام طلبہ متوجہ رہینگے اور اپنی اپنی باری کا حساب لگا کر غافل نہیں رہ سکتے +

اگر معلم کل جماعت کی توجہ پر بھروسا ہو تو سوالات کے اس طرز پر کوئی اعتراض نہیں ہے - مگر سکولوں کی جماعتوں میں عموماً توجہ کی عادت نہیں ہوا کرتی - اس لئے محض انفرادی سوالات جماعت کی تعلیم کے لئے مناسب نہیں ہیں البتہ اگر جماعت کا امتحان لینا مقصود ہے تو اسی قسم کے سوالات کرنے چاہئیں

۳ - اجتماعی سوالات - اس طرز کے سوالوں میں کل جماعت کو فرد واحد قرار دیکر سب سے سوال کیا جاتا ہے - اور سب ملکر جواب دیتے ہیں - اس سے غرض یہ ہے کہ کل طلبہ کام میں لگے رہیں - یہ ڈھنگ بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہر سوال کا جواب کسی نہ کسی طرح مل ہی جاتا ہے - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہو رہی ہے - لیکن فی الحقیقت اسمیں بہت سے نقص ہیں +

(۱) ڈرپوک - سست اور کم لیاقت طلبہ بالکل جواب ہی نہ دینگے

(۲) بعض طالب علم دوسروں سے سُنکر جواب دینگے +

(۳) چند لائق اور پیشدست طلبہ تمام جماعت کی طرف سے جواب دیتے رہینگے

(۴) جواب دینے میں طلبہ کو عقل لڑانے کی مطلق ضرورت نہیں پڑیگی

اور اسی وجہ سے اگر فرداً فرداً اُنکا امتحان لیا جائے تو کچھ کا کچھ جواب دینگے

(۵) بہت سے لڑکوں کے ایک ساتھ بول اُٹھنے سے جواب سُنائی نہیں دینگے۔ اور سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ اِس سے تعلیم میں ایک طرح کی ابتری پیدا ہوگی ۔

یہ سوال بھی جماعت کی تعلیم کے لائق نہیں ہیں۔ لیکن تعلیم کے نتائج کو ذہن نشین کرنے کی غرض سے بعض صورتوں میں انکا استعمال مفید اور ضروری ہے۔ مثلاً معلم کوئی خاص بات (الفاظ کا تلفظ۔ ہجے۔ حساب کے پہاڑے۔ گرمر کی اصطلاحیں۔ جغرافیہ کی تعریفیں۔ تاریخ کے سن سبق کا خلاصہ وغیرہ) تمام جماعت کے دل پر نقش کرنا چاہتا ہے۔ تو سب طلبہ سے جتنی مرتبہ مناسب سمجھے کہلائے۔ اِس مشق میں انکو بار بار بلند آواز سے بولنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکا بہت اثر ہوتا ہے ۔

۳۸۔ جماعتی سوالات۔ چونکہ سوالوں کے دونو طرز انفرادی اور اجتماعی علیحدہ علیحدہ مفید نہیں ہیں۔ اِسلئے اِن دونو کو ملا کر جماعتی سوالات کرنے چاہئیں۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ کل جماعت سے سوال کیا جائے۔ اور تھوڑی سی مہلت کے بعد کسی ایک طالبعلم کو جواب دینے کے واسطے منتخب کیا جائے۔ مگر بہتر ہے کہ پہلے ہی سے طلبہ کو اس بات کی ہدایت کردی جائے۔ کہ جو سوال کا جواب جانتے ہوں۔ وہ اپنا ہاتھ اُٹھا لیا کریں۔ اب معلم ان میں سے جس سے چاہے سوال پوچھ لے۔ جن طالب علموں کا اِس جواب سے اطمینان نہو۔ وہ اپنا ہاتھ بدستور اُٹھائے رکھیں۔ اِسی طرح اُستاد ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرکے اُس سے کہے کہ تم اس جواب کو درست کرو۔ علیٰ ہذا القیاس " اِس میں صرف اِتنی اِحتیاط رکھنی چاہئے۔ کہ سوالوں کا جواب سب سے لیا جائے یہ نہو کہ چند ہوشیار طالبعلم ہی جواب دیتے رہیں۔ اور باقیوں سے ایک

جواب بھی نہ لیا جائے +

اِس طرز سے یہ فائدے ہیں +

(۱) طلبہ سبق پر متوجہ رہتے ہیں - اور اپنی باری کا حساب لگا کر غافل نہیں ہو سکتے - کیونکہ انکو یہ خبر نہوگی کہ کسوقت کس سے سوال پوچھا جائیگا +

(۲) ہر ایک طالبعلم کی طبیعت پر جواب سوچنے کے لئے زور پڑتا ہے +

(۳) جو بات زیادہ سے زیادہ تمام جماعت کو آتی ہے وہ جلد معلوم ہو جاتی ہے سوالات عموماً ادنے اور متوسط جماعتوں کے واسطے مناسب سمجھے جاتے ہیں - اعلی جماعتوں میں طلبہ کو مسلسل طور پر توجہ کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے انکی تعلیم میں اِنفرادی سوالات سے بھی کام لینا چاہیئے - تاہم انکی توجہ کا اِمتحان کرنے کی غرض سے کبھی کبھی ایک طالب علم کو چھوڑ کر باقیوں سے بے ترتیب سوال پوچھ لینے چاہئیں +

۳۹ - سوالات محذوفی - سوالات کی چھہ قسمیں جواب تک لکھی گئی ہیں وہ اِستفہامیہ صورت سے متعلق ہیں - یہ وہ صورت ہے جس میں سوال پوچھا جاتا ہے - اسکے علاوہ ایک صورت اور بھی ہے جسے محذوفیہ صورت کہتے ہیں - اِسمیں سوال پوچھا نہیں جاتا - بلکہ اُستاد جملے کا بہت سا حصہ خود پڑھکر باقیماندہ طلبہ سے پورا کراتا ہے - مثلاً "خاندان مغلیہ میں سے سب سے زیادہ عادل اور منتظم بادشاہ" یہ کہکر اُستاد خاموش ہو جائے - اور لڑکے جلدی سے کہدیں "اکبر تھا"

اِن سوالوں کے فائدے حسب ذیل ہیں +

(۱) سبق کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور طلبہ کی عقل پر بہت زور نہیں پڑتا +

(۲) چونکہ اِن سوالوں کا طرز آسان اور بے تکلف ہوتا ہے - اسواسطے ہر ایک

طالب علم کو جواب دینے کی تقویت ہوتی ہے۔ اور توجہ کی عادت پیدا ہوتی ہے

(۳) معلم طلبہ کے طرز خیال کو اپنے ڈھنگ پر لاتا ہے۔ اور اُسکے خاموش ہوتے ہی طلبہ اُسکے خیال کو اختتام پر پہنچا دیتے ہیں +

رہی یہ بات کہ کن جماعتوں میں ایسے سوالوں سے کام لینا چاہیئے۔ اِس بارہ میں عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ یہ سوال اعلیٰ جماعتوں کے لائق نہیں ہیں۔ اگرچہ گاہے گاہے ہر ایک جماعت میں ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ ادنےٰ جماعتوں اور بالخصوص ابجد خواں بچوں کے لیئے یہ سوالات زیادہ ترموزوں ہیں۔ کیونکہ اُنکی قوت بیانیہ کمزور ہوتی ہے۔ اور وہ پورا جواب نہیں دیسکتے۔ تاہم اُن جماعتوں میں بھی صرف اُنہی سوالوں سے کام لینا ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ محذوفی سوالات کے ساتھ معمولی یعنی استفہامی سوالات بھی پوچھنے چاہئیں

محذوفی سوالات اور استفہامی سوالات میں صرف شکل کا فرق ہوتا ہے۔ پس جو قواعد استفہامی سوالات کی بابت بیان ہوئے ہیں[1]۔ وہی محذوفی سوالات پر بھی صادق آتے ہیں۔ مگر ہدایات مفصلہ ذیل صرف محذوفی سوالات سے متعلق ہیں

(۱) جو لفظ یا الفاظ حذف کیئے جائیں وہ بہت ہی مشہور ہونے چاہئیں تاکہ طلبہ کا ذہن فوراً اُدھر منتقل ہو جائے +

(۲) جو عبارت حذف کرنی ہے وہ جماعت کی استعداد کے موافق کم و بیش پیچیدہ ہو سکتی ہے۔ مگر ایسی نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ اگر اُسکی جگہ مختلف لفظ رکھدیئے جائیں تو بھی مطلب پورا ہو جائے +

(۳) جسوقت اُس لفظ کی جگہ آئے۔ تو طلبہ کو پہلے سے اُسکی اطلاع نہیں کرنی چاہیئے۔ مثلاً بعض معلم عین موقع حذف پر پا تو آواز کو بلند کر دیتے ہیں۔ یا کچھ اشارہ کر دیتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوا تو طالب علم

[1] دیکھو دفعہ ۳۵۔

صرف اُس لفظ پر دھیان کرینگے ۔ تمام کلام کو توجہ سے نہیں سنیں گے +

(۴) حذف خیالات سے وابستہ ہونا چاہیئے ۔ محض الفاظ کا حذف کرنا بیفائدہ ہے ۔ مثلاً سوال مذکورۂ بالا میں لفظ "اکبر" حذف کرنے کی بجاے صرف لفظ "تھا" حذف کریں ۔ تو اس قسم کے سوال کا مقصد بالکل فوت ہو جائیگا +

(۵) لفظ محذوف کا کوئی جزو بھی نہیں بولنا چاہیئے ۔ لفظوں کو آدھا بولکر طلبہ سے پورا کرنا فعل عبث ہے +

(۶) محذوفی اور استفہامی سوالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ مڈ کرنا نہیں چاہیئے +

(۷) اگر کسی محذوفی سوال کا جواب نہ ملے ۔ تو اُسکو دوبارہ سُنانا بےفائدہ ہے ۔ ایسے موقع پر اُسکو نئی عبارت میں ادا کرنا چاہیئے ۔ اور اگر غلط جواب ملے ۔ تو سب سے بہتر یہ ہے ۔ کہ طلبہ سے ایسے سوال کئے جائیں کہ وہ خود بخود اپنی غلطی کو درست کریں +

دوم ۔ جوابات

۴ ۔ جوابات ۔ سوالات کی قسمیں ۔ اور ہر قسم کا محل استعمال اور ضروری ہدایتیں بیان ہو چکیں ۔ اب ہم جوابات کے متعلق لکھتے ہیں ۔ معلم کو یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ اُسکا کام صرف یہی نہیں ہے کہ جو جواب طلبہ دیں ۔ اُنکو سُن لیا کرے ۔ بلکہ زیادہ تر ضروری بات یہ ہے ۔ کہ کل جماعت کو جواب دینے کی عادت ڈلوائے ۔ اِسلئے اِن باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے +

(۱) معلم طلبہ کا دل بڑھاتا رہے ۔ اور اُن پر یہ بات ظاہر کر دے ۔ کہ مجھے تم سب سے جواب دینے کی توقع ہے +

(۲) جو طلبہ خاموش رہنا چاہتے ہیں یا سبق کو بے توجہی سے سنتے ہیں

اُنکی طرف خاصکر مخاطب ہوکر سوال پوچھے - چند لائق اور شوقین طلبہ پر توجہ کرنا - اور باقیوں کو اُنکی قسمت پر چھوڑ دینا راستبازی اور حق شناسی سے نہایت بعید ہے +

(۳) طلبہ کو معلم پر پورا پورا اعتماد ہو - اگر اُنکے دل میں یہ ڈر بیٹھ گیا - کہ غلط جواب دینے سے اُستاد خفا ہوگا - یا سزا دیگا - تو حتی المقدور جواب دینے میں تساہل کریں گے +

(۴) جو ہدایتیں جوابوں کے تصفیہ کی بابت[1] درج ہیں اُنکی پابندی سے بھی طلبہ کو جواب دینے کی عادت اور ترغیب پیدا ہوتی ہے +

۴۱ - اچھے جوابوں کے خواص - اچھے جوابوں میں تین وصف ہوتے ہیں - صحت - صفائی - غور و فکر +

(۱) **صحت** - جواب صحیح نہوا تو جواب ہی کیا ہوا ؟

(۲) **صفائی** - جو جواب طلبہ دیں اُسکو اُنہی سے صاف طور پر اور پورا پورا کہلانا چاہئے - اسکا فائدہ یہ ہوگا - کہ اُنکے خیالات میں صفائی پیدا ہوگی - طرز بیان میں سلاست اور روانی آجائیگی - بعض طالب علم جواب کی طرف اشارہ ہی کرکے چھوڑ دیتے ہیں - اور معلم سے اُسکو پورا کردینے کی توقع رکھتے ہیں - اکثر معلم ایسے جوابوں کو منظور کرلیتے ہیں - یہ بڑی غلطی ہے - اسلئے ہمیشہ پُورا جواب لینا چاہئے

(۳) **غور و فکر** - یعنی سوچ سمجھ کر جواب دینا - اس عادت کو ترقی دینے کے لئے لازم ہے کہ :-

ا - جواب سوچنے کے لئے **کافی وقت** دیا جائے - اگرچہ بعض صورتوں میں فوراً جواب دیسکتے ہیں لیکن اکثر صورتوں میں اور خصوصاً مشکل سوالوں میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے

ب - جب طالب علم کے جواب میں غور و فکر پایا جائے - اُسکو شاباش

[1] دیکھو دفعہ ۴۲ -

دیکر دل بڑھایا جائے۔

ج۔ خود معلم کے سوال فی نفسہ معقول اور عمدہ ہوں۔ کیونکہ عمدہ ہی سوال کا جواب عمدہ ملا کرتا ہے۔ ناقص سوالوں میں طلبہ سے غور و فکر کی توقع رکھنی محض لغو ہے +

۴۲۔ **جوابات کا تصفیہ**۔ جوابوں کا تصفیہ کرنے یا طلبہ سے جواب لینے میں معلم بالعموم دو متضاد غلطیاں کیا کرتے ہیں۔ اِنسے ہمیشہ بچنا چاہیئے +

(۱) بعض معلم ہر جواب کو جو اُنکے طرز خیال سے مختلف ہو۔ نامنظور کر دیتے ہیں۔ معلم کے لیئے تو یہ بات آسان ہے۔ اسکو کچھ دردسری اُٹھانی نہیں پڑتی مگر طلبہ کے حق میں سخت مضر ہے۔ مختلف طبیعتوں میں طرز فکر بھی مختلف ہوتا ہے۔ پس جو اُستاد شاگردوں کے خیالات کو آزادانہ طور پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ وہ اُنکی ترقی عقل کو روکتا ہے +

(۲) برعکس اسکے بعض معلم طلبہ کے تمام جوابوں کو منظور کر لیتے ہیں۔ اینں نہ تو کوئی سقم نکالتے ہیں۔ اور نہ کچھ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ڈھیلے ڈھالے اور گویا مجبورانہ طور پر یہ کہدیتے ہیں کہ "ہاں ٹھیک ہے" اور کبھی سقم بھی نکالتے ہیں تو لغو اور بے معنی + جوابوں کے تصفیہ کا ڈھنگ جو فن تعلیم کا ایک جزو اعظم ہے۔ اِن دونو طرزوں میں مفقود ہے +

ہر جواب کو دو کسوٹیوں پر پرکھنا چاہیئے۔ اول صحت دوم غور و خوض اِس لحاظ سے طلبہ کے جواب مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ بعض بالکل غلط۔ اور بعض کچھ صحیح کچھ غلط۔ اِسی طرح بعض جوابوں میں زیادہ غور و خوض پائی جاتی ہے۔ اور بعض میں کم۔ پس جوابوں کا تصفیہ کرنے میں اِن ہدایتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے +

(۱) اگر جواب کچھ صحیح - کچھ غلط ہو تو اُسکو بالکل صحیح مان لینا یا بالکل غلط کہدینا نہیں چاہیئے - بلکہ غلطی کو صحیح کر کے یہ کہدینا چاہیئے - کہ اسقدر جواب صحیح ہے اور میں اس سے خوش ہوں - تاکہ طالب علم کی ہمت بڑھے - اور آئندہ بھی کوشش کرے +

(۲) اگر جواب میں کچھ تھوڑی غلطی ہو تو جہاں تک ہو سکے غلطی کرنے والے ہی سے اسکو صحیح کرایا جائے - یہ بات ممکن نہو - تو دیگر طلبہ سے اُسی جواب پر اور ایک دو سوال پوچھنے سے - طالب علم خود اپنی غلطی کی اصلاح کر سکتا ہے +

(۳) ممکن ہے کہ جواب بالکل غلط ہو - لیکن اُس میں غور و تامل کے آثار نمایاں ہوں - ایسے جوابوں کی داد دینی چاہیئے - اُن پر تعجب کرنا - ہنسنا - یا خفا ہونا مناسب نہیں ہے - اگر اُستاد کو معلوم ہو جائے - کہ کسی طالب علم نے بہت سوچ سمجھ کر - دلی کوشش کے ساتھ جواب دیا ہے - تو وہ تحسین و آفرین کا مستحق ہے - نہ عتاب و نفرین کا مستوجب +

(۴) جو جواب فی الحقیقت صحیح اور عمدہ ہوں - اُنکی خاصکر تعریف کرنی چاہیئے اُن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معلم ہر ایک صحیح جواب پر "ٹھیک" - "درست" "صحیح" - "بجا" - "بہت اچھا" - "واہ وا" - "شاباش" وغیرہ الفاظ کہا کرے - اِس میں محض تضیع اوقات ہے - بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر سوال خاصکر مشکل ہو اور اُسکا جواب عمدہ دیا جائے - اُسوقت شاباش کے ساتھ دل بڑھانا چاہیئے

(۵) برخلاف اسکے اگر صحیح جواب بھی اٹکل پچو اور بے پروائی کے ساتھ دیا جائے تو اُس سے صرف درگذر کرنا کافی نہیں ہے - بلکہ نہایت سختی کے ساتھ روکنا چاہیئے - اگر اُستاد نے ایسے جوابوں پر تنبیہ نہ کی تو اُنکی تعداد روز بروز بڑھتی جائیگی +

۴۳ - **گھر پر کام بتانا** - تعلیم کی دو طرزوں یعنی لکچر اور سوال و جواب کا
پورا بیان ہو چکا - اب ہم گھر پر کام بتانے کی بابت ذکر کرتے ہیں - یہ بات
بھی داخل تعلیم ہے کہ طلبہ کو کچھ کام بتایا جائے - اور وہ خود اُسکو پورا کریں - خواہ
گھر پر - خواہ مدرسہ میں - اِس میں اِن ہدایتوں کو مدنظر رکھنا لازم ہے +

(۱) جو کام کرنے کے لئے دیا جائے - بہتر ہے کہ طلبہ اُسکو گھر پر پورا کر کے لائیں
البتہ دیہات میں - یا ایسے مقامات میں جہاں تعلیم کا شوق کم ہو - اور لڑکوں
کے والدین جاہل اور بے پرواہوں - یہ کام مدرسہ ہی میں پورا کرانا چاہئے

(۲) بہت ادنیٰ جماعتوں میں ایسا کام نہیں دینا چاہئے - کیونکہ بہت چھوٹی
عمر کے لڑکوں میں یہ قابلیت نہیں ہوتی - کہ اسکو خود پورا کریں +

(۳) یہ کام طلبہ کی لیاقت کے موافق ہونا چاہئے - چھوٹے بچوں کا کام عملی
قسم کا ہو - مثلاً کسی عبارت کا برزبان یاد کرنا - یا سبق یاد کرنے کی غرض سے
نقل کرنا - حساب کے آسان سوال نکالنا - وغیرہ + ذی استعداد طلبہ کو
عملی کام کے ساتھ عقلی کام بھی دینا چاہئے - مثلاً کتب درسیّہ کا مطالعہ
مضمون نگاری - سبق کا مطلب اپنے لفظوں میں ادا کرنا وغیرہ +

(۴) جو کام طلبہ کر کے لائیں - اُسکے دیکھنے کا وقت مقرر ہونا چاہئے - اور
بہت احتیاط کے ساتھ ان میں اِصلاح دینی چاہئے - اور اُس میں
وقتاً فوقتاً اُنکا اِمتحان لینا چاہئے - خواہ بذریعہ زبانی سوالات کے - خواہ
کسی اور طرح سے +

فصل پنجم امتحان

۴۴ - **تعلیم اور اِمتحان** - تعلیم میں دو باتیں شامل ہیں تعلیم خاص اور

اِمتحان۔ تعلیم کے ذریعہ سے معلم طلبہ کو علم سکھاتا ہے۔ اور امتحان کے ذریعہ سے مقررہ سبق اُنکو یاد کراتا ہے +

تعلیم اور اِمتحان کا اندازہ مناسب کے ساتھ کام میں لانا مدرسہ کی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بالکل اِمتحان ہی امتحان نہونا چاہئے۔ کیونکہ جبتک طلبہ کو سیکھنے کا ڈھنگ نہ بتایا جائے۔ اُنکو علم حاصل کرنے کی عادت پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ بات ہرقسم کے سبق سے متعلق ہے۔ خواہ عقلی ہو۔ خواہ عملی۔ عقلی سبقوں میں جنکے یاد کرنے میں عقل درکار ہو۔ تعلیم کی ضرورت صاف ظاہر ہے لیکن سیدھے سادے اور آسان سے آسان عملی کاموں کے کرنے کا بھی ایک خاص طریقہ ہوا کرتا ہے جو بغیر بتائے خودبخود نہیں آسکتا +

اسی طرح محض تعلیم سے بھی کام نہیں چلتا۔ اگر ایسا ہوا تو تعلیم مؤثر اور ذہن نشین نہوگی۔ اور نہ طلبہ میں بذات خود کام کرنے اور محنت برداشت کرنے کی عادت ہوگی

غرض تعلیم اور امتحان طلبہ کے مدرسہ میں داخل ہونے سے لیکر خارج ہونے تک برابر ہونے چاہئیں۔ البتہ اُنکی استعداد کے موافق اس اندازہ کو کم و بیش کرنا چاہئیے۔ بہت ہی کم سن بچوں کے لئے تقریبًا تعلیم ہی تعلیم مناسب ہے اور امتحان بہت ہی کم رفتہ رفتہ جسقدر اُنکی استعداد بڑھتی جائے۔ اِمتحان زیادہ اور تعلیم نسبتہً کم ہونی چاہئے +

۴۵۔ طریقۂ امتحان۔ اچھا امتحان وہ ہے جس میں (۱) وقت کم صرف ہو۔ اور (۲) اسباق کی پوری آزمایش ہوجائے۔ کہ کون سبق یاد کرکے لایا ہے۔ اور کون نہیں لایا۔ اِمتحان دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) اِنفرادی جسکو تقریری یا زبانی اِمتحان بھی کہتے ہیں۔ اس میں ہر ایک طالب علم کا اِمتحان فردًا فردًا لیا جاتا ہے +

(۲) اجتماعی جسکو تحریری امتحان بھی کہتے ہیں - اسمیں بذریعہ تحریری سوالات کے تمام جماعت کا اکٹھا امتحان ہوجاتا ہے +

ظاہر ہے کہ زبانی امتحان میں وقت بہت صرف ہوتا ہے - اسلئے جہانتک ہوسکے تحریری امتحان لینا چاہئے - بیشک بعض مضامین کا تحریری امتحان ہو ہی نہیں سکتا - مثلاً عبارت خوانی - جب تک کسی عبارت کو ہر ایک طالبعلم سے پڑھوا کر نہ سُنا جائے - اسبات کا اطمینان نہیں ہوسکتا کہ جماعت اُسکو اچھی طرح پڑھ سکتی ہے - مگر اکثر مضامین کا امتحان اجتماعی طور پر ہوسکتا ہے مثلاً ہجے - املا - حساب کسی عبارت کا حفظ کرنا - ریاضی کی حدود اصطلاحات جغرافیہ - تاریخی واقعات - انکا امتحان تحریری لینا چاہئے +

اب ہم تحریری امتحان کا نمونہ دکھاتے ہیں جس سے کامل امتحان اور کفایت وقت دونو باتوں کا اندازہ ہوسکتا ہے - فرض کرو - کہ کوئی مضمون سوال و جواب کی قسم کا ہے - مثلاً اصطلاحاتِ جغرافیہ - تو اُستاد کو اس طرح کارروائی کرنی چاہئے - " طلبہ کو سلیٹوں پر سوال لکھوائے - جسوقت جواب لکھ چکیں آپس میں سلیٹیں بدلوائے - اور کسی طالب علم سے جواب باواز بلند پڑھوائے اگر ضرورت ہو تو غلطیوں کو درست کرائے - پھر ہر ایک طالبعلم کو اسکی سلیٹ واپس دلائے - جن کا جواب صحیح ہے - ان سے کہے کہ ہاتھ اُٹھائیں - یا کھڑے ہوجائیں - اس طریقہ سے بہت تھوڑے وقت میں پورا امتحان ہوسکتا ہے

املا اور ہجّوں کے امتحان میں اس ڈھنگ کی ضرورت صاف ظاہر ہے - اگر اُستاد کسی مقررہ سبق کے کل مشکل الفاظ کے ہجے ہر ایک طالب علم سے زبانی سُننا چاہے تو یہ بات کسی طرح ممکن نہیں - مدرسہ کا تمام وقت بھی شاید اس مطلب کے لئے کافی نہو - لیکن اگر اُن لفظوں کو لکھوا کر سلیٹیں بدلوائی جائیں

اور طلبہ ہی سے غلطیوں پر نشان کراکر واپس ولائی جائیں۔ تو نہایت ہی قلیل عرصہ میں کل جماعت کا پورا امتحان ہو سکتا ہے +

تحریری امتحانات۔ تعلیم کے ذہن نشین کرنے کے علاوہ طلبہ کو سرکاری یونیورسٹی کے امتحانوں کی تیاری میں بھی پوری مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ طلبہ کو اس ڈھنگ سے واقفیت اور مختصر اور پر مطلب جواب دینے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اتنی احتیاط ضروری ہے کہ طلبہ نقل بالکل نکریں اور نہ ایک دوسرے سے کوئی بات پوچھیں +

۴۶۔ غلطیوں کی اصلاح۔ تعلیم اور امتحان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ اُستاد اِن غلطیوں کو صحیح نکرے۔ جو طلبہ نے سوالوں کے جواب دینے میں کی ہیں۔ اِن غلطیوں سے اُستاد کو اپنے کام میں بڑی رہنمائی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ طالب علم کن اُصول کو نہیں سمجھے اور کونسی باتیں اُنکی یاد سے اُتر گئی ہیں۔ اِسی وجہ سے اُنکی ضرورت کے موافق تعلیم کا ڈھنگ اختیار کر سکتا ہے +

مدارس میں غلطیوں کی اصلاح کا عام طریقہ یہ ہے کہ معلم اصلاح کو ایک مرتبہ یا تو خود کہہ دیتا ہے۔ یا غلطی کرنیوالے طالب علم سے کہلا دیتا ہے یہ طریقہ ہرگز سودمند اور قابل اطمینان نہیں ہے۔ اِصلاح کا مقصد یہی نہیں ہے کہ غلطی کرنیوالے ہی کی اِصلاح ہو۔ بلکہ تمام جماعت کو فائدہ پہنچے۔ اِسلئے اِن باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے +

(۱) اِصلاح کامل ہونی چاہئے۔ یعنی غلطی کو نہایت تاکید کے ساتھ اور زور دیکر بتایا جائے۔ تاکہ طلبہ دوبارہ ایسی غلطی نکریں +

(۲) غلطی کو صحیح کرکے کئی مرتبہ غلطی کرنیوالے کی زبان سے کہلایا جائے

یا سلیٹ پر لکھا یا جائے +

(۳) اگر ضرورت ہو تو نہ صرف دو چار طلبہ سے بلکہ کل جماعت سے مہارنی کے طور پر کہلایا جائے +

(۴) اصلاح کو تختہ سیاہ پر لکھدینا ساری جماعت کے ذہن نشین کرنے کے لئے نہایت مفید ہے +

فصل ششم تعلیم کا دل پر نقش کرنا

۴۷ - اثر تعلیم - جب تک سبق طلبہ کے دل پر نقش نہو جائے - یہ سمجھو پڑھایا ہی نہیں گیا - ہر سبق کی آخری آزمایش یہی ہے کہ اسکا کسقدر حصہ جماعت کے ذہن نشین ہوا - بعض اوقات اچھے اور لایق معلم بھی اسبات میں قاصر رہتے ہیں کہ سبق پر ہمیشہ کے لئے جماعت کا قبضہ ہو جائے - اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ معلم خود لیئق اور فہیم ہوتے ہیں - اور شاگردوں کی صرف قوتِ عقل ہی کو ترقی دینے کے درپے رہتے ہیں - قوت حافظہ کی ترقی کا خیال نہیں رکھتے - حالانکہ تعلیم کو مؤثر کرنے کی غرض سے ان دونو قوتوں کی ترقی باندازہ مناسب ہونی چاہئے - عقل ہی سے حافظہ کا کام لینا غلطی ہے - جن جماعتوں کو صرف عقلی تعلیم ہوتی ہے اگر انسے پچھلے سبق سنے جائیں - تو بہت ہی کم یاد نکلتا ہے +

۴۸ - سبق کے ذہن نشین کرنے کا طریق - اگر معلم تعلیم کا اثر طلبہ کے ذہن میں قائم رکھنا چاہتا ہے - تو اسکو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے جو ہم نے اس باب میں فن تعلیم کے متعلق لکھی ہیں - مثلاً

(۱) ایک وقت میں اتنی ہی باتیں بتائی جائیں جنکو طلبہ آسانی سے یاد رکھ سکیں

(دیکھو دفعہ ۵) +

(۲) جماعت کی استعداد کے موافق اُنکو صاف طور پر ترتیب دینا چاہیئے (دیکھو دفعہ ۱۱)

(۳) سبق کو سمجھانے کے لیئے اچھی تمثیلیں کام میں لائے (دیکھو دفعات ۱۵ و ۱۸)

(۴) معقول سوالات کے ذریعہ سے اُنکی توجہ کو قائم رکھنا۔ اور عقل کو تیز کرنا چاہیئے (دیکھو دفعات ۲۸ و ۳۹) +

(۵) اپنے خیالات کو صاف اور مطلب خیز عبارت میں ظاہر کرے (دیکھو دفعات ۵۶ و ۵۸) +

(۶) معلم کا اپنا برتاؤ پسندیدہ اور مؤثر ہو (دیکھو دفعات ۵۹ و ۶۸)

علاوہ بریں دو باتیں خاصکر قابل لحاظ ہیں جو تعلیم کو مؤثر کرنے کے لیئے نہایت ضروری ہیں +

(۱) توضیح یعنی مطالب سبق کو کافی وضاحت کے ساتھ صاف صاف اور جدا جدا بیان کرنا۔ اور ہر بات کے سمجھانے میں کافی وقت دینا۔ بعض معلم اُن باتوں کی طرف اشارہ ہی کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ یا سرسری طور پر اُنکو ملا جلا کر بیان کرتے ہیں۔ اِس طریقہ سے سبق کا ذہن نشین ہونا تو درکنار۔ طلبہ کی طبیعت حیران و پریشان ہوجاتی ہے +

(۲) تمرین یعنی سبق کا بار بار اعادہ کرنا۔ اور اُسکے مضامین کا دُہرانا۔ تمرین گویا بار بار طلبہ کا اِمتحان لینا ہے۔ اسکی دو صورتیں ہیں +

اول سبق کے ساتھ ساتھ۔ دوم سبق کے آخر میں۔ اثنائے سبق میں اعادہ اِس طرح ہو سکتا ہے کہ جو باتیں سوالات کے ذریعہ سے طلبہ کو سمجھائی گئی تھیں۔ یا معلم نے بتائی تھیں۔ پھر اُن ہی باتوں کو دوسری طرح سوال کر کے اخذ کرانا چاہیئے۔ مگر اِس بات کا لحاظ رہے۔ کہ یہ اعادہ بعینہ

اُن ہی الفاظ میں ہو۔ جس طرح اُستاد نے اول دفعہ بیان کیا تھا۔ اگر کسی امر پر زیادہ زور دینا مناسب ہو۔ تو کل جماعت سے تھیار ٹی کے طور پر کہلانا چاہئے

اِختتام سبق پر جو اعادہ ہوتا ہے اُس میں سبق کی بڑی بڑی باتوں کو دُہرایا جاتا ہے۔ اِس اعادہ میں تختۂ سیاہ نہایت کارآمد ہے۔ کیونکہ سبق کا خاکہ (بڑی بڑی باتیں) مختصر طور پر ترتیب وار بورڈ پر لکھدینے سے طلبہ کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اُنکی قوت حافظہ کو نہ صرف عملی بلکہ منطقی طور پر بھی مدد ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبق اُنکے دلوں پر نقش ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ اُن کو زیادہ ضروری اور کم ضروری باتوں میں دعوے اور دلیل میں ممثل اور تمثیل میں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔ اِس مشق میں اُنکے قوائے عقلیہ پر زور پڑتا ہے ۔

۴۹۔ آموختہ سننا[1]۔ پچھلے کئی سبقوں کے دُہرانے کو اصطلاح میں آموختہ سننا کہتے ہیں۔ یہ بھی داخل تمرین ہے۔ جس طرح ایک سبق کا دُہرانا ضروری ہے۔ اِسی طرح کئی سبقوں کا دُہرانا بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے +

عربی میں ایک مثل ہے "العلم وحشی" "قیدوہ بالتکرار" یعنی علم ایک وحشی جانور ہے۔ اسکو تکرار اور مزاولت کے ذریعہ سے قید کرو۔

---

[1] بعض معلم ہفتہ میں ایک روز آموختہ خوانی کے واسطے مقرر کرتے ہیں۔ اور تمام ہفتہ کی خواندگی اُس روز سُن لیتے ہیں۔ ہر مہینے کی خواندگی کو بھی اسی طرح دُہراتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بہتر طریقہ یہ ہے۔ کہ نئے سبق کے علاوہ دو تین صفحے یا جماعت کی استعداد کے موافق کم و بیش طلبہ کو گھر پر یاد کرنے کے لئے ہر روز بتائے جائیں۔ اور اگلا سبق پڑھانے سے پہلے اُنکو سُن لینا چاہئے۔ اگر جماعت کو اطمینان کے لایق یاد نہ نکلے۔ تو اگلے روز بھی وہی کام بتایا جائے۔ یہاں تک کہ اچھی طرح یاد ہو جائے۔ اُستاد کا یہ عذر کہ طلبہ کو پہلے تو یاد تھا پر اب بھول گئے ہیں" اِمتحان کے موقع پر قابل سماعت نہیں۔ کیونکہ اس کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ سبق کو ایک دفعہ سمجھا کر پڑھا دے۔ بلکہ بار بار تکرار اور اعادہ کے ذریعہ سے ہمیشہ کے واسطے ذہن نشین بھی کر دے۔

اس کا مطلب یہ ہے - کہ بار بار پوچھنے - بار بار پڑھنے - اور بار بار دُہرانے سے علم حاصل ہوتا ہے - یہ تجربہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ کا پڑھا دینا کافی نہیں ہوتا - اسلئے تعلیم اور بالخصوص ابتدائی تعلیم میں بڑی احتیاط کے ساتھ آموختہ سُننا چاہیئے - جب تک ایک سبق یاد نہو جائے - دوسرا سبق ہرگز نہ پڑھاؤ - تعلیم کے کل وقت میں سے کم از کم **نصف وقت** سبقوں کے دُہرانے اور آموختہ سننے میں صرف ہونا چاہیئے +

ممکن ہے کہ پچھلے سبقوں کا بار بار دُہرانا طلبہ کو ناگوار اور وبال معلوم ہو مگر اسکا تدارک ہو سکتا ہے - **اول** تو بچوں کی طبیعت مصروفیت کی طرف اسقدر مائل ہوتی ہے - کہ وہ ایک ہی کام کو بار بار کرنے سے بھی نہیں تھکتے - بشرطیکہ معلم اُنکا ہمدرد اور شریک حال رہے - اور اُنکا دل بڑھاتا رہے +

دوسرے یہ کہ معلم اعادہ کے ایسے **مختلف طریقے** نکال سکتا ہے - کہ ہر ایک طریقہ بالکل نیا ہی معلوم ہو - مثلاً زبانی دُہرانے کے علاوہ +

(۱) **تختہ سیاہ** اس مطلب کے واسطے بہت عمدہ کام دے سکتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ اُستاد کو اسقدر مہارت ہو کہ جن بڑی بڑی باتوں کا دُہرانا مقصود ہو - اُنکو صفائی کے ساتھ اور جلدی سے بورڈ پر لکھ سکتا ہو +

(۲) طلبہ سے مدرسہ میں **تحریری جواب** لکھائے +

(۳) سبق کی بڑی بڑی باتیں اور اُسکا خلاصہ طلبہ گھر سے لکھکر لائیں

(۴) طلبہ سے بعض اوقات **باہمی بحث** کرائی جائے - اور وہ اُستاد کے سامنے ایک دوسرے سے سوال کریں - یہ طریقہ نہایت ہی دلچسپ اور دُہرانے کے لئے ایک عمدہ مشق ہے +

۵۰ - کفایت وقت - فن تعلیم میں وقت کی کفایت مقدم بات نہیں ہے

اول اول اسباب کا خیال رکھنا چاہیئے - کہ جو کچھ پڑھایا جائے عمدہ اور پوری طرح پڑھایا جائے - خواہ کتنا ہی زیادہ وقت صرف ہو - اور کتنی ہی کم تعلیم ہو - جب کوئی کاریگر یا دستکار اپنے فن میں خوب مشاق اور ماہر ہو جاتا ہے - اور اپنے اوزاروں سے بے تکلف کام لینا سیکھ لیتا ہے - اُسوقت اسکو خیال ہوتا ہے - کہ وقت مقررہ میں جتنا زیادہ کام ہو اُتنا ہی اچھا ہے - اِسی طرح اُستاد کو فن تعلیم میں مشق اور مہارت بہم پہنچانے کے بعد تھوڑے وقت میں بہت سا کام کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے +

مدرسہ کا وقت ایک نہایت بیش قیمت چیز ہے - اِس تھوڑے سے وقت میں اسقدر کام کرنا ہوتا ہے - کہ حد سے زیادہ کفایت کے ساتھ بھی پورا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا - اِسلئے معلم کو لازم ہے کہ "جس طرح اور جہاں تک ہو سکے وقت کو بچائے" یہ مطلب ذیل کی باتوں پر توجہ کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے:

(۱) معلم ہر وقت طلبہ کو کام میں مشغول رکھے +

(۲) طریقہ تعلیم ایسا اختیار کرے کہ تضیع اوقات نہو +

(۳) اصل مطلب کو چھوڑ کر کہیں کا کہیں نہ چلا جائے - نہ تو غیر ضروری باتوں کے بیان کرنے سے دیر لگائے - اور نہ غیر ضروری تمثیلیں دے +

(۴) سبق کی باتوں کو حد سے زیادہ ہیر پھیر اور تکرار کے ساتھ اخذ نہ کرائے

(۵) سبق کو تیار کر کے پڑھائے - ناقص علم سے ہرگز تعلیم نہ دے +

(۶) سوالات پوچھنے میں تامل نکرے +

(۷) جوابات کے تصفیہ کرنے میں دیر نہ لگائے +

پس ہر سبق کی کامیابی اور خوبی کی آزمایش اِن دو باتوں پہ منحصر ہے -

اول - یہ دیکھنا کہ سبق کا کسقدر حصہ طلبہ کی سمجھ میں آگیا ہے - جیسا پہلے[۵]

[۵] دیکھو دفعہ ۴۷ -

بیان کیا گیا ہے +

دوم - یہ کہ وقت مقررہ میں سے کتنا حصہ اچھی تعلیم میں صرف ہوا +

فصل ہفتم - صفاتِ معلم

۵۱ - **لیاقت معلم** - اب ہم اُن صفتوں کا ذکر کرینگے جن کا معلم میں پایا جانا ضروری ہے - چونکہ معلم کو طلبہ کی جسمانی - عقلی - اور اخلاقی تربیت کرنی ہوتی ہے اسواسطے اسمیں بھی تین قسم کی لیاقت کا ہونا ضروری ہے - یعنی لیاقت جسمانی - لیاقت عقلی - لیاقتِ اخلاقی - اِن تینوں لیاقتوں کے لئے جو باتیں درکار ہیں اُن کا حال آگے لکھا جاتا ہے +

اول - لیاقتِ جسمانی

۵۲ - **لیاقت جسمانی** - اس میں یہ باتیں شامل ہیں (۱) عمدہ صحت - (۲) جسمانی عیوب سے بری ہونا (۳) عمدہ لہجہ (۴) آنکھ اور کان کا تیز ہونا

(۱) **عمدہ صحت** معلم کا تندرست اور صحیح المزاج ہونا نہایت ضروری ہے جو شخص اکثر بیمار رہے وہ معلمی کے لایق نہیں ایسے شخص سے تعلیم میں کئی طرح کے نقصان متصور ہیں +

ا - بیمار کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے - اور اُسکی طبیعت میں بشاشت اور زندہ دلی جو بچوں کی تعلیم کے لئے لازمی ہے - نہیں رہتی -

ب بیمار آدمی اکثر اپنے کام سے غیرحاضر رہیگا - اور تعلیم میں حرج واقع ہوگا

ج - قطع نظر نقصان تعلیم کے - مدرسہ کی رونق میں بھی فرق پڑ جائیگا - اگر تعلیم خاطرخواہ نہوئی - تو بچوں کے والدین اُنکو اُٹھا کر دوسرے مدرسوں

ییں داخل کر دینگے - پس معلم کو لازم ہے کہ اصول صحت[1] سے واقف ہو کر اپنی صحت کا ہمیشہ لحاظ رکھے +

(۲) جسمانی عیوب سے بری ہونا - اس سے مراد ہے صحیح الاعضا ہونا یہ صفت اسوجہ سے ضروری ہے کہ معلم کو اپنے فرایض منصبی کے ادا کرنے میں کوئی مزاحمت نہو - اور طلبہ پر اُسکا رعب و داب قایم رہے +

(۳) عمدہ لہجہ - اس میں دو باتیں شامل ہیں (۱) صاف گفتگو (۲) مناسب آواز

ا - صاف گفتگو - معلم کے کلام میں کسی قسم کی لکنت - یا جھجک نہیں ہونی چاہئے - اُسکو نہ بہت جلدی بولنا چاہیئے - نہ بہت آہستہ اُس کی ضرورت دو وجہ سے ہے اول تو گفتگو کی صفائی تعلیم کے ذہن نشین کرنے میں بہت موثر ہوتی ہے دوم طلبہ معلم کی طرز گفتگو کی نقل کیا کرتے ہیں اگر اُس کی آواز صاف نہ ہوئی تو اُن کا لہجہ بھی خراب ہو جائیگا +

ب - مناسب آواز اگر معلم زور کی آواز سے بولے گا تو مدرسہ میں شور و غل برپا رہیگا - اگر نیچی آواز سے بولے گا تو کل طلبہ اُسکی آواز کو سُن نہیں سکیں گے - اِسکے علاوہ اِنکو بھی آہستہ بولنے کی عادت پڑ جائیگی پس معلم کی آواز نہ بہت اُونچی ہو نہ بہت نیچی ہو بلکہ ایسی ہو کہ تمام جماعت آسانی کے ساتھ سُن سکے اور سمجھ سکے +

(۴) آنکھ اور کان کا تیز ہونا - یہ وصف خاصکر ضروری ہے تاکہ طلبہ کی بے ضابطہ حرکتوں کو - فوراً تاڑ لے اور اُن کو اپنے قابو میں رکھ سکے

[1] اگر معلم ورزش یعنی جمناسٹک قواعد وغیرہ سے واقف ہو تو نہایت مناسب ہے اول تو اُسکی اپنی صحت قایم رہے گی - دوسرے طلبہ کی صحت کو بھی قایم رکھ سکیگا +

بعض لڑکوں کو تعلیم کے وقت مُنہہ چڑانے اُستاد کی نقل اُتارنے یا چپکے چُپکے ایک دوسرے سے باتیں کرنیکی عادت ہوتی ہے جس سے علاوہ حرج تعلیم کے طلبہ کا اخلاق بگڑتا ہے اسلئے اُستاد کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے اگرچہ یہ وصف قدرتی عطیہ ہے تاہم خبرداری کے ساتھ توجہ کی جائے تو ہر شخص اُسکو حاصل کرسکتا ہے *

دوم - لیاقتِ عقلی

۵۳ - لیاقتِ عقلی اِس میں یہ باتیں داخل ہیں (۱) کافی علم (۲) سبق کی تیاری (۳) مطالعہ کا شوق (۴) سلیقہ تعلیم (۵) سیاست (۶) صحت بیان (۷) زبان پر قدرت (۸) سلاست زبان - اِن میں سے پہلے تین باتوں کا بیان پہلے ہو چکا ہے - باقی پانچ چیزوں کا حال ہم اب بیان کرینگے

۵۴ - سلیقہ تعلیم - اِسکے یہ معنی ہیں کہ معلم پڑھانے کا ڈھنگ اچھی طرح جانتا ہو اور اپنی لیاقت سے بلا تکلف کام لے سکتا ہو - زمانہ سابق میں عام خیال تھا کہ ہر شخص جسکو تھوڑا بہت علم ہے - معلم بن سکتا ہے - مگر اب یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے) مضمون سبق کے علم اور عام واقفیت کے علاوہ طریقۂ تعلیم کی واقفیت بھی ضروری ہے - پس تعلیم و تربیت کے جو اُصول اور ہدایتیں اِس کتاب میں بیان ہوئی ہیں معلم کو اُنپر پورا پورا کاربند ہونا چاہئے

۵۵ - سیاست - اِس سے ہماری مراد وہ لیاقت ہے - جسکے ذریعہ سے معلّم بچّوں کو اپنے قابو میں رکھتا ہے یہ بات ضرور ہے کہ اُستاد کا رعب تمام جماعت پر ہو یہ لیاقت اِس طرح حاصل نہیں ہو سکتی - جیسا بعض اوقات غلطی سے خیال کیا جاتا ہے کہ معلم چیخ کر بولے - یا خونخوار اور ڈراؤنی شکل بناے بیٹھا رہے یا بے قرارانہ گفتگو کرے - یا بید ہاتھ میں لیکر لڑکوں کو مارتا پیٹتا رہے بلکہ

یہ ایسی طاقت ہے جس کا اثر طلبہ کے دلوں ہی پر ہوتا ہے - اور ایک معلم کا دل سب کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے +

معلم کی طرز سے طلبہ پر یہ بات ظاہر ہونی چاہیئے - کہ وہ اُنکو شوق دلانے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اُنکی منت نہیں کرتا - بلکہ جبراً توجہ کرا سکتا ہے یہ بھی خیال رہے کہ حکومت کا حاصل ہونا - اور بات اور نمود کے طور پر ہمیشہ اُسکا جتانا اور بات ہے - اگر اُسکو حکومت حاصل ہے تو اُسکا اثر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہیگا - بار بار اُسکا ذکر کرنے سے اُسکا اثر جاتا رہتا ہے +

۵۶ - صحت بیان - معلم کی گفتگو محض تعلیم کا ذریعہ نہیں ہے - بلکہ طلبہ کے واسطے ایک نمونہ بھی ہے - جسکی تقلید سے اُنکی طرز گفتگو پر بڑا اثر پڑتا ہے - غرض اسکی کامیابی بہت کچھ اُسکے کلام پر منحصر ہے - اسیوجہ سے معلم میں صحت بیانی کا ملکہ ضروری ہے - یعنی اسکے کلام میں یہ تین وصف ہونے چاہیئیں:

(۱) **صحت تلفظ** - یعنی الفاظ کا تلفظ ٹھیک ہو - نہ صرف تعلیم کے وقت بلکہ ہر موقع پر - کیونکہ طلبہ صحیح تلفظ اُستاد کی ہر وقت کی بول چال سے سیکھا کرتے ہیں - نہ کہ کسی خاص وقت صحیح تلفظ سننے سے +

(۲) **گفتگو کا صرف ونحو کے مطابق ہونا** - اسکی ضرورت اِسوجہ سے ہے - کہ طلبہ گریمر کے ذریعہ سے صحیح بولنا نہیں سیکھتے - بلکہ اُستاد ہی کی تقلید سے سیکھتے ہیں +

(۳) گفتگو کا بامحاورہ ہونا - عامیانہ محاورات سے معلم کو ہمیشہ بچنا چاہیئے تاکہ طلبہ کو عمدہ محاورات کی عادت ہو +

۵۷ - زبان پر قدرت - یہ بات بھی معلم کی کامیابی کا جزو اعظم ہے کہ اُسکو اپنی زبان پر قدرت حاصل ہو - یعنی ایک مضمون کو **مختلف پیرایوں**

میں بیان کرسکے - اسکی ضرورت اسوجہ سے ہے کہ جماعت میں مختلف لیاقتوں
کے طالب علم ہوتے ہیں - اور سبق کا مضمون اُنکے ذہن نشین کرنے کی غرض
سے طرز کلام کو بدلنا - اور ایک بات کو کئی طرح بیان کرنا پڑتا ہے - اِس سے
یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے - کہ معلم خواہ مخواہ بلاضرورت ہر ایک بات کو کئی کئی
طرح سمجھائے - یوں تو اور بھی زیادہ پیچیدگی واقع ہوگی - اور ایک طرح بھی طلبہ
کی سمجھ میں نہیں آئیگا +

ممکن ہے کہ بعض اوقات باوجود پوری پوری تشریح کے پھر بھی طالب علم
کسی بات کو نہ سمجھیں - ایسے موقع پر بار بار بیان کرنا فضول ہے - بلکہ تھوڑی
دیر صبر کرنا چاہیئے - تاکہ طلبہ بطور خود اس پر غور کریں - اِس مہلت کے بعد
اُسکو دوبارہ بیان کرنا چاہیئے +

۸ ۵ - **سلاست زبان** - معلم کی گفتگو سلیس اور آسان ہونی چاہیئے -
تاکہ کل جماعت اسکے بیان کو سمجھ سکے - سلاست زبان سے یہ مراد نہیں
ہے کہ معلم کے موہنہ سے کوئی لفظ بھی ایسا نہ نکلے - جسکی پہلے تشریح نہو چکی ہو
اول تو یہ بات محض ناممکن ہے - دوسرے زبان کے حاصل کرنے میں یہ
ایک بڑی روک ہے - کیونکہ بچے الفاظ کے مطالعہ سے زبان کو حاصل نہیں کرتے
بلکہ الفاظ کا علم زبان کی واقفیت سے حاصل کرتے ہیں - یا یوں کہو کہ زبان کے
سیکھنے کا عمل تحلیلی ہوتا ہے - نہ کہ ترکیبی - پس یہ قاعدہ کہ کوئی نیا لفظ
کام میں نہ لایا جائے - محض بے بنیاد ہے +

معلم کی سلاست زبان آسان اور معمولی لفظوں کے استعمال پر
منحصر نہیں ہے - بلکہ جملوں کی سہل ترکیب اور ربط پر منحصر ہے مشکل
الفاظ اور استعارات سے اسقدر پرہیز کرنا نہیں چاہیئے - جسقدر اُن مشکل اور

فاضلانہ خیالات سے جنسے بچوں کی طبیعت کو کوئی تعلق نہیں - اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے - کہ تعلیم کے وقت جسقدر الفاظ یاد آئیں - اُن سب کو معلم بے تکلف کام میں لائے - کیونکہ یہ بات سخت قابل اعتراض ہے + اسکا ماحصل یہ ہے - کہ اگر مضمون طلبہ کی فہم سے باہر نہو - اور جملوں کی ساخت اُنکی استعداد کے موافق ہو تو بڑے بڑے لفظوں سے بچنے کے لئے اپنے طرز بیان سے انحراف کرنے کی ضرورت نہیں ہے - کیونکہ تمام جملہ کا مطلب سمجھ لینے سے خاص الفاظ کا مطلب بھی سمجھ میں آجائیگا - البتہ جو الفاظ خاص مشکل آجائیں - اُنکی تشریح کردینی بھی ضروری ہے +

سوم - لیاقتِ اخلاق

۵۹ - لیاقتِ اخلاقی - معلم کے قول کی نسبت اُسکے فعل کا اثر طلبہ پر زیادہ ہوتا ہے - کیونکہ اخلاق عموماً اپنے سے بڑوں کی تقلید کا نتیجہ ہے - اگر اُستاد یہ چاہتا ہے کہ اُسکے شاگرد ناشایستہ اطوار اور نامناسب حرکات سے پرہیز کریں تو اُسکو لازم ہے کہ اُنکے سامنے خود اچھا نمونہ بنکر دکھائے - اگر ابتدائی عمر میں اخلاق رذیلہ بچوں کی طبیعت میں بیٹھ گئے - تو بعد میں اُن کا اِستیصال تقریباً محال ہوجاتا ہے - اِسلئے معلم میں مفصلہ ذیل اخلاقی صفتوں کا پایا جانا ضروری ہے +

(۱) صفائی اور ستھرائی (۲) پرہیزگاری (۳) محنت و مستعدی - (۴) استقلال (۵) خوش مزاجی (۶) مہربانی و ہمدردی (۷) عدل - (۸) راستی (۹) ایمانداری +

۶۰ - صفائی اور ستھرائی - صفائی کی غفلت سے بیماری پیدا ہوتی ہے -

کیونکہ کثافت ہی بیماری کی جڑ ہے۔ قطع نظر اسکے میلا آدمی لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔ بچے بھی ایسے آدمی کی کچھ قدر و منزلت نہیں کرتے۔ اِسلئے معلم کا بدن۔ لباس۔ مکان ہمیشہ صاف رہنا چاہیئے۔ تاکہ طلبہ میں بھی صفائی اور ستھرائی کی عادت پیدا ہو+

بعض دیہاتی معلم عین تعلیم کے وقت مدرسہ میں بیٹھ کے حقہ پیتے ہیں اسپر طرّہ یہ کہ حقے بھی برسوں کے گندے اور سڑے ہوئے۔ پان۔ تمباکو۔ حقہ۔ چُرٹ کے استعمال سے روپیہ بھی ضائع ہوتا ہے۔ اور وقت بھی۔ مدرس کو اِن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کم از کم مدرسہ کے وقت میں کبھی انکا استعمال نکرے

۶۱۔ **پرہیزگاری**۔ اُستاد کو مسکرات کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اِس سے جسمانی صحت زائل ہوتی ہے۔ عقل میں فتور آتا ہے۔ لوگ عمومًا شرابخوری سے متنفر رہتے ہیں۔ اگرچہ یورپ کی قوموں میں کم و بیش اس کا رواج رہا ہے۔ مگر آجکل اکثر ملکوں میں نوع انسان کے خیرخواہ سرگرمی کے ساتھ اسکے اِنسداد کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ پس اُستاد کو لازم ہے کہ ایسی چیزوں سے قطعی اجتناب کرے تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے لئے ایک عمدہ مثال ہو+

۶۲۔ **محنت و مستعدی**۔ محنت سے مراد ہے اپنا کام سعی و کوشش کے ساتھ انجام دینا۔ اور مستعدی سے مراد ہے گرمجوشی اور ذوق و شوق ظاہر کرنا+

سارے کام محنت ہی سے چلتے ہیں۔ اگر اُستاد ہی محنت سے جی چُرائے گا تو شاگردوں سے اُسکی توقع رکھنی فضول ہے۔ ابتدائی تعلیم بالخصوص زیادہ تر محنت طلب ہوتی ہے۔ کیونکہ طلبہ کی آئندہ کی بہبودی اور لیاقت کا دار و مدار اِسی پر منحصر ہے+ محنتی معلم اکثر اوقات بڑے بڑے لایق و فایق اُستادوں

سے جو کم محنت ہیں اپنی محنت ہی کی وجہ سے سبقت لیجاتے اور بہتر نتایج دکھاتے ہیں +

محنت کے ساتھ مستعدی بھی ضروری ہے۔ اِس وصف کے ذریعہ سے تعلیم میں ایک جوش یا زور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بچوں کی عقلی او راخلاقی عادات پر اُسکا بڑا اثر پڑتا ہے +

۶۳ - **استقلال**۔ اسکے معنی ہیں کسی کام میں دل لگا کر متواتر کوشش کرتے رہنا۔ اِسی کو ثابت قدمی کہتے ہیں۔ بغیر استقلال کے محنت کا پورا ثمرہ نہیں مل سکتا۔ اگر تعلیم کا نتیجہ جلد نظر نہ آئے۔ تو گھبرانا یا مایوس ہونا نہیں چاہیے کسان جب بیج بوتا ہے۔ تو ایک عرصہ تک فصل پختہ ہونے اور پھل لگنے کا منتظر رہتا ہے۔ معلم کو بھی لازم ہے۔ کہ طلبہ کے دلوں میں علم کی تخم ریزی کرے۔ اور صبر و تحمل سے اُسکے پھل کا متوقع رہے۔ اُسکو اپنی تعلیم کا ثمرہ وقت مناسب پر ضرور ملیگا +

۶۴ - **خوش مزاجی**۔ خوش مزاجی کا ظہور اِن دو باتوں پر منحصر ہے! اول معلم تعلیم کے وقت ہر دم بشاش رہے۔ دوم کُند ذہن اور نیز شوخ طلبہ سے تحمل کے ساتھ گفتگو کرے۔ اِن صفتوں کی بدولت طلبہ معلم پر اعتماد کرتے ہیں۔ اپنے کام سے خوش رہتے ہیں۔ کام کو عمدہ طور پر کرنے کی خواہش اُنکے دلوں میں آپسے آپ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسی خواہش کا پیدا ہونا کامیابی کے ساتھ تعلیم دینے کے لئے لازمی ہے +

برعکس اسکے اگر معلم زود رنج اور ترش مزاج ہوگا تو طلبہ اُس سے خوف کرینگے۔ محنت سے دل برداشتہ ہو جائیں گے۔ جو کام آسان اور اُن کی استعداد کے موافق ہوگا۔ اُسکو بھی نہیں کر سکیں گے +

معلم میں زندہ دلی یا شگفتہ طبعی اِسوجہ سے ضروری ہے کہ جنکے ساتھ اُسکو
ہروقت کام پڑتا ہے۔ اُنکو قدرت نے خوش دل بنایا ہے۔ زندہ دلی سے
ہاتھ پاؤں کی پھرتی اور بدن کی چستی مراد نہیں ہے۔ بلکہ طبعی زندہ دلی
مراد ہے۔ اگرچہ کچھ شک نہیں کہ اُسکے واسطے بھی کسیقدر جسمانی قوت کا پایا جانا
ضروری ہے +

۶۵- مہربانی و ہمدردی۔ بچے اُستاد کی آواز اُسکے چہرہ اور اُسکے طرز کلام
کو فوراً تاڑ لیتے ہیں۔ اگر وہ مہربانی اور محبت سے اُنکے ساتھ پیش آئے۔ تو
بدل و جان اُسکی فرمانبرداری کرینگے۔ سختی اور سرد مہری برتی جائے۔
تو حکم مانتے ہیں۔ مگر دل میں خوش نہیں رہتے + عموماً دیسی مکاتب کے مدرسوں
اور بعض سرکاری مدارس کے معلموں میں یہ عادت پائی جاتی ہے۔ کہ چھڑی
یا بید ہروقت ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ خونخوار صورت بنائے بیٹھے رہتے ہیں۔
بات بات پر بچوں کو دھمکاتے اور بے رحمی سے مارتے ہیں۔ ایسا برتاؤ بہت
شایستہ اُصول تعلیم کے بالکل برخلاف اور معلم کی شان سے نہایت بعید ہے
مہربانی کے ساتھ ہمدردی کی صفت بھی معلم میں ہونی چاہیئے۔ اِسکے
معنی ہیں طلبہ کے خیالات اور جذبات کی تہ کو پہنچنا۔ اور اُنکی مشکلات اور
ضروریات کو مدنظر رکھنا۔ اِس صفت کی بدولت معلم طلبہ کی استعداد کے موافق
طرح طرح کی تدبیریں نکالکر اُنکے دلوں میں تحصیل علم کا شوق پیدا کر دیتا ہے +

۶۶- عدل۔ اِسکے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک کو اُسکا حق پہنچایا جائے۔ اور کسی کی
رُو رعایت نہ کی جائے۔ اُستاد کا برتاؤ شاگردوں کے ساتھ ایسا ہونا چاہیئے
کہ کسی طالب علم کو اِس بات کا خیال تک پیدا نہو کہ اُستاد خاص اسکے ساتھ
سختی سے پیش آتا ہے۔ یا فلاں فلاں طالبعلموں کی رعایت کرتا ہے۔

جب کوئی تکرار یا فساد جماعت میں ہو۔ تو انصاف کو ہاتھ سے نہ دے۔ امیر غریب۔ ہوشیار۔ کمزور۔ سب کو ایک نظر دیکھے۔ اگر اُستاد جادۂ عدل سے منحرف ہوگا تو اُسکے شاگردوں میں خود سری اور نافرمانی کی عادت پیدا ہو جائیگی +

۶۷۔ راستی۔ راستی تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ طلبہ کی اخلاقی حالت کو ترقی دینے کے لئے غالباً یہی صفت سب سے زیادہ ضروری ہے۔ معلم کو ایسا راستباز اور صادق القول ہونا چاہیئے۔ کہ طلبہ کو اُسکی بات پر پُورا اعتماد ہو۔ اور اُسکی تقلید سے وہ خود بھی ایسا بننے کی کوشش کریں +

۶۸۔ ایمانداری۔ یعنی خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانکر اپنے کارِ منصبی کو باحسن وجوہ انجام دینا۔ یہ صفت فی الحقیقت معلم کے کل فرائض پر حاوی ہے۔ روزمرّہ گھر سے سبق تیار کرکے لانا۔ بلاناغہ عین وقت پر مدرسہ میں آنا۔ مدرسہ کا تمام وقت اپنے شاگردوں کو دینا۔ اُسوقت میں نجی کام نکرنا۔ اور نہ دوسرے آدمیوں سے باتیں کرنا۔ تمام جماعت کی نہ صرف چند ہوشیار طلبہ کی ترقی تعلیم کا خیال رکھنا وغیرہ۔ یہ سب باتیں اسی صفت کا لازمی نتیجہ ہیں +

خاتمہ

۶۹۔ قدرتی لیاقتیں۔ تعلیم کے عام اُصول بیان ہو چکے۔ یہ سب باتیں بچوں کی طبیعت اور اُنکے مزاج کی ساخت کا لحاظ کرکے لکھی گئی ہیں جو معلم اُنکو غور سے پڑھکر عمل کریگا۔ اپنے مقصد میں جلد تر کامیاب ہوگا۔ اور اپنے ذاتی تجربہ سے عمدہ اور مفید باتوں کا ذخیرہ جمع کرسکیگا +

قدرت نے مختلف آدمیوں کو مختلف قابلیتیں۔ مختلف اندازہ کے موافق عطا کی ہیں۔ اور ہر شخص کو کسی خاص شے کے ساتھ طبعی مناسبت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض آدمی زیادہ تر معلمی کے لائق اور موزوں ہوتے ہیں۔ اور

بعض کم تر۔ جس شخص کو فن تعلیم سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اِسمیں یہ
دو۱ وصف قدرۃً نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ ایک تو بچوں کے ساتھ
ہمدردی[۱] ۔ دوسرے اسکے مزاج میں مستعدی[۲] کا پایا جانا۔ جس معلم میں تین
لیاقتیں موجود ہونگی۔ اُسکو اپنی محنت کا ثمرہ اوسط درجہ کا ملیگا۔ اور اسی پر
اُسکو قناعت کرنی چاہیئے۔ مگر جو اُستاد اپنے شاگردوں کی ترقی اور بہبودی کا
خیال رکھتے ہیں۔ وہ محنت اور استقلال سے اِن لیاقتوں کو بڑھا سکتے ہیں +

۷۰۔ تعلیم کے گُر۔ اب ہم تمام فن تعلیم کا لُب لباب چند مختصر لفظوں میں بیان
کرکے اِس باب کو ختم کرتے ہیں۔ ہر معلم کو یہ باتیں بطور گُر کے پیش نظر رکھنی چاہئیں

(۱) اپنی لیاقت کو ہمیشہ مطالعہ کے ذریعہ سے ترقی دیتا رہے +

(۲) بچوں کی تعلیم میں اپنے تئیں بالکل بچہ بنادے۔ اور جیسا مزاج اُن کا ہو اُسی کے
موافق تعلیم دے +

(۳) تمام شاگردوں کی بہبودی کا تہ دل سے خیال رکھے +

(۴) بدشوق طلبہ کو تعلیم دینا گویا بے بھُوک کھانا کھلانا ہے۔ اِسلیئے کہ اول ان میں
اشتہاے شوق پیدا کرے۔ بعد ازآں عقلی غذا بہم پہنچائے +

(۵) معلم کی کامیابی کا معیار یہ نہیں ہے کہ چند ہوشیار طالبعلم اِمتحان میں بہت
عمدہ نمبر حاصل کرلیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اکثر طلبہ قابل اِطمینان اِمتحان دیں +

(۶) پس اچھا معلم وہ ہے جو متوسط درجہ کے طلبہ کی لیاقت بڑھائے۔ مگر اعلیٰ درجہ کا
معلم اُسکو کہیں گے جو اوسط سے گرے ہوؤں کو جماعت کے ساتھ چلائے۔
ایسے ہی طالبعلموں کی طرف اسکو توجہ کرنی چاہیئے۔ اور کفایت شعاری کا یہ
اُصول کہ دو پیسوں کی خبرداری کرو۔ روپے اپنی حفاظت آپ کرلیں گے،،
تعلیم میں بھی مد نظر رکھنا چاہیئے + فقط

---

[۱] دیکھو دفعہ ۶۲ [۲] دیکھو دفعہ ۶۵ +

ترجمہ رائے شمس العلماء خان بہادر جناب منشی محمد ذکاءاللہ صاحب فیلو الہ آباد یونیورسٹی سابق پروفیسر اورنٹیل سائنس اینڈ لٹریچر میور کالج الہ آباد

مولوی غلام الحسنین کی تصنیف مسمّٰی بہ دستور المعلمین جس میں فنِّ تعلیم کا بیان ہے - اور جو اس مضمون کی معتبر انگریزی اور اُردو کتب سے اور مصنف کے وسیع ذاتی تجربہ کی بنا پر تالیف کی گئی ہے - اُس سے اُنکا شوقِ علمی ثابت ہوتا ہے - اُردو زبان میں اِس مضمون پر مجھ کو اس سے بہتر کتاب دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا +

اعلان

یہ کتاب ایک حصہ دستور المعلمین کا ہے - اور نہایت ضروری چیز ہے - جو عموماً سب معلموں اور خاصکر سررشتۂ تعلیم کے مدرسین کے لئے مفید ہے - مسودہ اس کا عالی جناب نواب عماد الدولہ عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی - بی - اے ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک محروسۂ سرکار نظام کی خدمت میں پیش ہوا تھا - جناب موصوف نے اسکو بہت پسند فرمایا تھا +

قیمت میرے کہنے سے مصنف صاحب نے کم رکھی ہے - یعنی ۶ر کلدار اور ۸ر حالی ہے - اس حصہ کی قدر ہوئی تو دوسرے حصے بھی جلد شائع ہونگے +

غلام الثقلین

بے - اے - ال - بی -

انسپکٹر مدارس صوبۂ گلبرگہ شریف

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ